اسیہ رزاقی

محبت ایک سوال ہے

شوخ سبز رنگ کی دور تک پھیلی گھاس کے بیچوں بیچ سرخ لباس میں بیٹھی وہ کوئی کہانی لکھ رہی تھی۔ نانی اماں کو یہ دتیرے پسند نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسے نمایاں ہونے کا شوق ہے، جب ہی نت نئی حرکتیں کرتی رہتی ہے۔ اب یہ سبز رنگ کے لان میں سرخ لباس پہن کر بیٹھنے کا خیال اسے یہ بیوقوفی کے تصور نے دیا ہو گا۔ تب ہی لان کے درمیان جا بیٹھی تھی، نمایاں ہونے کے لیے۔ کچھ کہنے کے لیے کیا گھاس ہونا ضروری ہے۔ شام گہری ہونے لگی اور وہ وہیں بیٹھی رہی۔ پھر مچھروں نے خوب ہی اس کا خون پیا، تب وہ جھنجھلاتی ہوئی اندر آئی۔ نانی اماں اس کا بغور مطالعہ کر رہی تھیں۔ ان کے خیال میں وہ بہت جزبز تھی کہ اتنی دیر وہ وہاں بیٹھی رہی اور کوئی مہمان بھی نہ آیا کہ اسے دیکھ کر کہتا۔

"واہ واہ ماشاءاللہ۔"

مگر رات کو جونہی انصار آیا، وہ اس پر برس پڑی کہ وہ اتنی رات گئے آیا ہے اگر خانم کو آنا تو کتنا اچھا تھا۔ وہی خود نمائی۔ نانی اماں کو تو انصار بالکل پسند نہیں تھا۔

UrduPhoto.com

ناولٹ

بہت بے تکلف شخصیت، آتے ہی فریج کھول کر معائنہ کرتا، الماری سے وال سیو، بسکٹ نکال کر کھاتا۔ فریج سے پھل نکال کر چٹ کرتا اور پھر چائے کے لیے آوازیں لگاتا۔ کبھی کبھی وہ خود ہی کچن میں جا کر کوئی الٹی سیدھی چیز پکا لیتا۔ آملیٹ یا فرنچ ٹوسٹ اور کبھی آلو کے چپس۔ اسے کوئی فکر نہ تھی۔ پورا گھر اس کا دیکھا بھالا تھا اور وہ وہاں کی ہر چیز پر ایسے حق جماتا جیسے یہ سب کچھ اسی کے لیے ہے۔ وہ مشورے اور رائے دینے میں بھی کافی فراخ دل ہے۔ یہ بات نانی اماں نے پہلی بار کی ملاقات میں نوٹ کر لی تھی، جب اس نے ان سے کہا تھا۔

"بڑی اماں! آپ عینک کا نمبر بدلوالیں یا پھر دوسری عینک بھی رکھیں کہ وقت ضرورت ایک کے بعد دوسری لگا سکیں۔"

نانی اماں حسب عادت تکیے کے اوپر سے اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد ہی اس نے رائے دی کہ وہ بالوں میں مہندی نہ لگایا کریں۔ بوڑھوں کے سفید بال ہی تو ان کی بزرگی کے وقار کو بڑھاتے اور تعظیم پر مجبور کرتے ہیں۔

نانی اماں کو اپنے بڑھاپے کے ذکر سے ازحد صدمہ ہوتا تھا۔ چہرے کی سلوٹیں اور ہاتھوں کی لٹکتی کھال ان کے اختیار میں نہ تھی۔ وہ سفید بالوں کو رنگ کر ہی جوانی کی یاد تازہ کر لیا کرتی تھیں۔ مگر اب تو انہوں نے مہندی پر ہی اکتفا کر لیا تھا اور یہ منہ پھٹ لڑکا انصار انہیں سفید جھک بالوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔

انہیں یہ گورا چٹا لمبا لڑکا جس کی بوٹی بوٹی تھرکتی تھی اور آنکھیں ناچتی تھیں ذرا اپنا نہ آیا۔ اس لیے کہ اس نے نانی اماں کو ذرا بھی نہ گردانا تھا اور نہایت اطمینان اور بے تکلفی سے امامہ کے سامنے کرسی پر دراز اسے گھور رہا تھا اور کبھی کبھی کوئی دلچسپ سا فقرہ کہہ کر زور سے ہنس دیتا تھا۔ ان کی نواسی تک مزاج تھی قدرے فضیلی مگر وہ انصار کے طنز اور تضحیک بھرے جملوں پر محض اس کو دانت پیس کر گھورتی۔ نانی اماں اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھنے سے قاصر رہیں جب وہ نیچے ہی نیچے دو انگلیوں کی مدد سے اس کے بازو یا پیر پر زور سے چٹکی لیتی تو وہ تڑپ جاتا۔ امامہ کو کہانیاں لکھنے کا چسکہ اپنے باپ سے ملا تھا۔ وہ نئے پلاٹ اور چٹ پٹے قصوں کے لیے ہر کسی کے سامنے کاغذ پنسل لے کر بیٹھ جاتی۔ کبھی بشیرن بھی اسے اپنے محلے اور رشتے داروں کے قصے سناتی اور امامہ انہیں نئے ناموں سے کاغذ پر بکھیرتی۔ بشیرن کی اولاد نہ تھی۔ اس کا میاں مالی تھا۔ صبح کام پر جانے سے پہلے وہ بیوی کو لاتوں، مکوں سے نواز کر اگر اتا ہوا کام پر روانہ ہوتا تو انصار لان میں ورزش کرتے کرتے لاپروائی سے پوچھ لیتا۔

"بسم اللہ کر آئے بشیرن کی؟"

"آج بشیرن کی آواز نہیں سنائی دی۔ تم بھول گئے شاید۔" مگر وہ بھولتا نہ تھا۔ روز بشیرن ایک نیا زخم لے کر اپنی آپی یا جسم کے نیل پر مالش کرتی بسورتی آتی۔ امامہ سے میاں کی بے اندازہ محبت اور چاہت کے نشان چھپا کر دیر سے آنے کا کیا بہانا تراش لیتی۔

بشیرن بہت تیز عورت تھی۔ وہ ایک دن پہلے سے ہی اگلے دن کے بہانے سوچ لیتی۔ امامہ کو ہر کام وقت پر کرانے کی دھن تھی اور بشیرن اکثر دیر سے ہی آتی۔ جسم کی دوبار سنکائی میں کچھ وقت لگ جاتا۔ پہلی بار مالی کے لات اور مکوں کی سنکائی اور پھر گرم اینٹ کی ٹکور۔ اس کے جواب میں ایک اینٹ ہر وقت پڑی رہتی، ہر دم تیار۔ کبھی کبھار مار دھاڑ کا پروگرام دوسری شفٹ میں بھی متوقع ہوتا۔ بشیرن جھوٹ گڑھنے میں بہت استاد تھی، اس لیے میاں کی طاقت کا نشانہ بنتی تھی۔ لیکن جھوٹ سے باز آنے کا اس کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ امامہ اسے روز تنبیہ کرتی اور اس کے وعدے پر کہ وہ اب کبھی آنے میں دیر نہیں کرے گی، معاف کر دیتی۔ لیکن یہ وعدہ کبھی پورا نہ ہوتا۔ ایک روز وہ امامہ سے

[illegible] میرا کام کا وقت رکھ لو۔"

ایک روز وہ اپنے روز کے وقت بھی نہ آئی بلکہ دن بھر نہیں آئی۔ اگلے دن بھی اس کے آنے کا وقت گزر گیا تو امامہ اپنی مصروفیات چھوڑ کر سرونٹ کوارٹر میں جا پہنچی۔ بشیرن بیمار سی چارپائی پر کامنہ سوجا ہوا تھا اور آنکھ کے نیچے نیل پڑا تھا، جس کے اس کی صورت بھی خوف ناک لگ رہی تھی۔ اس نے دوپٹے سے منہ چھپانے کی بہت کوشش کی مگر امامہ دیکھ چکی تھی۔

"یہ کیا ہوا؟" وہ بہت ڈر گئی تھی۔

"وہ کچھ نا ہوا۔ بس۔" بشیرن نے بہت ٹالنے کی کوشش کی۔ مگر امامہ کو اس کے بولنے پر سامنے کا دانت بھی غائب نظر آیا تو وہ پیچھے ہی پڑ گئی۔ بشیرن کو بتائے بنا چارہ نہ رہا۔

"وہ جی۔ ڈنڈا ہے نا ڈنڈا، وہ میرے آن بجا۔ بس میں تو دھاڑ سے گری۔"

"ڈنڈا؟ کیسا ڈنڈا؟"

"جی جی۔" بشیرن نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"ارے مگر کون سا ڈنڈا؟"

"وہ سامنے جی۔" بشیرن نے یونہی چھت کی جانب دیکھا۔

"چھت کا ڈنڈا۔۔۔؟"

"ہاں ہاں بس نوں سمجھ لو۔ چھت میرے پہ دھاڑ سے آ گری۔"

امامہ نے ابا کے پیچھے پڑ کر دو دن کے اندر کوارٹر کی چھت بدلوا دی۔ کیا پتا کب بشیرن اس کے نیچے آ کر مر جائے بے چاری۔ مگر چھت بدلنے کے بعد بھی مسئلہ حل نہ ہوا۔ کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں کا ڈنڈا بشیرن کے سر، بازو یا ٹانگوں، کمر یا پسلیوں پر پڑ ہی جاتا۔ بجتا ہی رہا۔ کافی دنوں بعد سردی میں جب بشیرن کو بہت زیادہ کھانسی ہوئی تو امامہ نے ڈاکٹر کو بلا کر اس کا معائنہ کرایا۔ ڈاکٹر نے اس کی پسلیوں کو دبایا تو وہ چلا اٹھی۔ ڈاکٹر نے تشویش کے اظہار کے بعد پوچھا۔ "تم کو کبھی چوٹ آئی تھی؟"

"ہاں بشیرن! بتاؤ۔" امامہ نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "کبھی چوٹ آئی تھی تمہیں؟ ایسے وہ چھت جو تمہارے اوپر آ کر گری تھی۔"

"ناجی نا۔" بشیرن سٹپٹا کر بولی۔ "اک دن میں اپنی چارپائی سے نیچے گری تھی۔ میں جانوں بوہی چوٹ میرے جم گئی۔ نا پتی۔"

"یہ بھی بتا دو کہ مالی کی لات نے چارپائی سے نیچے گرایا تھا۔" انصار نے لقمہ دیا۔ "اور وہ بہت اچھا باکسر بھی ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کب کہاں گھونسہ آ لگے۔"

"سو تو مرد ہوا۔" بشیرن کچھ فخر سے شرمائیں۔ "جرا جور سے بھی لگ جاوے ہے۔"

اس دن پہلی بار امامہ کو معلوم ہوا کہ بشیرن کے دیر سے آنے کی وجہ مالی کی مردانگی ہے، جس کا اظہار وہ گھونسوں لاتوں سے کیا کرتا ہے۔

امامہ نے چپ چپ بشیرن پر ایک کہانی لکھ ڈالی جو ایک اخبار کے ہفت وار ایڈیشن میں چھپ گئی۔ اخبار سب سے پہلے انصار نے پڑھا اور نانی اماں کے سامنے بیٹھ کر وہ دردناک کہانی بلند آواز سے پڑھنا شروع کی۔

امامہ ہر طرف سے اس پر حملے کرتی رہی، اخبار چھیننے کے تمام جتن کر کے ہار گئی۔ لیکن انصار نہایت پھرتی اور چابک دستی سے اسے چھیننے سے بچانے میں کامیاب رہا۔ کبھی دائیں، کبھی بائیں۔ ٹانگوں کے نیچے، کمر کے پیچھے، سر کے اوپر اخبار بے حد تیزی سے گھماتا چکر دلاتا رہا اور اسی تیزی سے وہ کہانی پڑھتا اور نانی اماں کو سناتا رہا جس میں عورت کی بے بسی اور کسمپرسی پڑھتے ہوئے تو انصار کے بھی آنسو نکل آئے اور اس نے جھک کر نانی اماں کے سفید دوپٹے سے آنکھیں رگڑ رگڑ کر صاف کیں اور بھرائے ہوئے گلے سے کہا۔

"اف کس قدر دردناک کہانی ہے۔ بدنصیب بشیرن کہاں ہے اسے بلاؤ۔"

اور بلاؤ کہتے کہتے مڑ کر جو دیکھا تو بدنصیب بشیرن دوپٹہ منہ میں ٹھونسے ہنسی روکنے کی کوشش میں دوہری ہوئی جا رہی ہے۔ امامہ شکست خوردہ سی میز پر بیٹھی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ بشیرن کو ہنستے دیکھ کر وہ جھلا گئی۔ تیزی سے اٹھ کر اس نے بشیرن کو دھکا دے کر کمرے سے نکالا اور نانی اماں سے اخبار لے کر باہر چلی گئی۔

انصار دنیا کی بے ثباتی، ناانصافی اور ظلم کے خلاف احتجاج کرتا رہا اور نانی اماں نے جب دیکھا کہ ان کا دوپٹہ کافی کنجل گیا ہے۔ انصار کے سامنے آنچل آیا تھا۔ اسی کو انگلیوں پر لپیٹتا تھا، آنسو اسی سے بھک کرتا اور تعجب کے اظہار کے لیے اسی کو دانتوں میں دبا لیتا۔ جب نانی اماں نے دوپٹہ کھینچا اس وقت بھی وہ انصار کے منہ میں تھا۔ اب بیچاری نانی اماں کو کیا پتا کہ اس نے دانتوں میں بھی دبا رکھا ہے۔ ان کے کھینچنے پر جھر

UrduPhoto.com

کی آواز ضرور آئی اور دوپٹہ ان کے ہاتھوں میں بھی آ گیا لیکن آدھا حصہ انصار کے دانتوں میں ہی رہ گیا۔ ان کے غصے اور چلانے کی پروا نہ کرتے ہوئے انصار بہت مسرت سے کہتا رہا۔

"ارے! دو دوپٹے۔ مکمل کر دیا میں نے 'ایک کے دو کر دیے۔"

ایک کے دو' دو کے چار کرنے میں انصار کو مہارت تھی۔ ایک پھول کو نہایت نفاست سے الگ کر کے دو کر دے۔ امامہ کے پراندے کو دو پراندے بنانا۔ سالم کیلے کے اندر سوئی کی نوک گزار کر اندر سے چار حصے کر دینا کہ چھلکا اتارنے پر ہی اس کے ٹکڑے گنے جا سکتے تھے۔ منہ سے کئی طرح کی آوازیں نکالنا کہ ابھی کان کے پاس جیسے مکھی بھنبھنائی اور ابھی پیروں کے نیچے کتے کا پلا ٹیاؤں ٹیاؤں کرنے لگا۔ کوئل کی درد بھری کوک تو ایسے اس کے منہ سے سنائی دیتی جیسے کھڑکی کے پاس کوئل بیٹھی ہے اور اسی کے ساتھ چڑیا' چڑے کی جنگ ہونے کی چہچہوں چہچہوں اور کوے کی کرخت کائیں کائیں۔ ساتھ ہی آندھی چلنے کی آوازیں۔ نانی اماں کو اس کی یہ حرکتیں ذرا پسند نہ تھیں۔

"مداری پن میں کمال حاصل ہے' چھچھورا پن۔" وہ بگڑ کر کہتیں لیکن وہ بھی انصار کی منتظر رہتیں۔ کسی دن نہ آتا تو بیزار سے کہتیں۔

"اپنے میاں کو بھیج کر پچھوا تو سہی' آج انصار میاں کیوں نہیں آئے؟"

اصل میں وہ تنہائی سے گھبرا جاتی تھیں۔ ان کی بیٹی کو گھر کے کام' مہمان داری' اور سسرال والوں سے تعلقات نبھانے سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ نواسی تھی تو وہ کالج سے آ کر لکھنے میں مصروف ہو جاتی۔

نانی اماں سے کہانی کے انجام کے متعلق تبادلہ خیال کرنے وہ ضرور آتی اور کبھی بہت دیر تک بھی بیٹھی رہتی۔ لیکن ایسا کئی کئی دن بعد ہوتا اور انصار ہی تھا جو نانی اماں کے پاس گھنٹوں بیٹھا اوٹ پٹانگ ادھر ادھر کی اڑاتا رہتا۔ کبھی کبھی وہ رات کو بھی یہیں رہ جاتا اور رات کو نانی اماں بہت خوشی سے اس کی باتیں سنتیں اور اپنی سناتیں۔ دن میں وہ زیادہ تر جو بکواس کرتا تھا' وہ امامہ کو خوش کرنے یا رلانے کے لیے اس کی ہر حرکت امامہ سے متعلق ہوتی۔ جبکہ رات نانی اماں کے جذبات و احساس کو مدنظر رکھ کر دوسری طرح کی باتیں کرتا۔ اپنی آپ بیتی سناتا اور نانی اماں کی بیتی سنتا' نانی اماں اب انصار کے بارے میں سابقہ خیالات پر نظر ثانی کرنا چاہتی تھیں۔

"بے چارہ لڑکا۔" وہ دل میں کہتیں۔ "اوپر سے بہت نرم اور میٹھا۔ اندر سے بہت نرم اور میٹھا۔ خاندانی لڑکا ہے۔ تب ہی داماد نے اسے اپنی دامادی کے لیے انتخاب کر لیا۔ دونوں ان کے مزاج۔"

اکلوتی بیٹی کے لیے وہ بے حد حساس تھے۔ اس کا دماغ اسی لیے عرش معلیٰ پر رہتا ہے کہ باپ کی حمایت جو ملی ہوئی ہے' ادھر اس کے منہ سے کوئی لفظ نکلا' ادھر [illegible] اب اس نے لکھنے لکھانے کا سلسلہ جو شروع کیا تو [illegible] ہی کی شہہ پر گھرداری کا کوئی کام سیکھنے کے بجائے [illegible] کر ایک ایک کا منہ تکا کرتی۔ کریدکرید کر [illegible] مشاہدات معلوم کرتی اور پھر کہانی تیار کر کے نانی اماں کی رائے لیتی۔ اسے منطقی انجام پسند تھے اور وہ کافی غور کے بعد [illegible] تحریر کرتی تھی۔ نانی اماں سے اسے صرف اتنی دلچسپی تھی کہ وہ زمانے کے سرد و گرم' اونچ نیچ کے بارے میں گہری نظر رکھتی تھیں۔ ان کی تقریر جو امامہ کے لیے ہوتی' وہ نصیحتیں جو وہ اسے کرتیں' وہ انہیں صفحات میں جگہ دے کر کہانی کو زوردار بناتی۔

امامہ ایک صاف ستھرے ذوق اور روشن ذہن کی مالک تھی۔ اسے دنیا بہت خوب صورت لگتی۔ جب کوئی اسے اہمیت دیتا' اس کی تعریف کرتا۔ ایسی تعریف جو حقیقت پر مبنی ہو۔ چاپلوسی سے اسے کمتری کا احساس اس کی گردن نہ جھکائے۔ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اسے بچپن میں ہی تنہائی اور اکیلے پن کے اندھیروں میں کھو جانے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

انصار کا وجود' اس کی خوبیاں' اس کی تعلیمی سرگرمیاں' علم کے لیے جدوجہد کا شوق ایک تازیانے سے کم نہ تھا۔ اب انصار اپنے عزیزوں سے ملتا۔ چچا کے پاس جاتا تو خود اعتمادی کی روشنی سے اس کا سارا وجود جگمگایا ہوا ہوتا۔ ایسے میں چچا اپنے بیٹوں کی نالائقی' بدشوقی اور تعلیمی کمی کا رونا روتے تو اسے اپنا ماضی یاد آ جاتا۔

جب وہ بے سہارا تھا' مفلس اور لاوارث تھا تب اس کے سگے چچا اور خالہ' ماموں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کی دلجوئی تک نہ کی تھی۔ خالہ کہتی تھیں۔ یہ ماموں کے پاس رہے گا۔ ماموں کہتے چچا اصلی وارث ہیں۔ چچا کان پکڑتے کہ وہ تو اس کے باپ سے ناراض تھے۔ مرتے دم تک یہ ناراضی قائم رہی۔ اب اس بھتیجے سے رشتہ کیوں جوڑیں۔ اس وقت امامہ کے ابو انصار کی انگلی پکڑ کر اپنے گھر لے گئے تھے۔ جب تو ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی والدہ سے کہا تھا۔

"سمجھ لیجیے اماں بی! یہ آپ کا دوسرا اقبال ہے اور اس اقبال کو پھر سے جوان کرنا ہے اور وہی تربیت اور ویسی ہی تعلیم دینا ہے۔ اسے سچ مچ کا اقبال بنانا ہے۔"

اماں بی نے اپنے بڑے جوان اقبال پر محبت کی نظر ڈالی اور ان کے زیر سایہ کھڑے دوسرے بچے کو دیکھا جسے پھر سے جوان کرنا تھا اور جسے دوسرا اقبال بنانا تھا۔ انہیں محسوس ہوا جیسے ان کے بیٹے اقبال نے ان کی صلاحیتوں کو چیلنج کیا ہے۔ ان کے حوصلوں' ہمتوں کے امتحان کے لیے وہ اس ننھے بچے کو دنیا کی خود غرضیوں اور منافقتوں کے سمندر سے نکال لائے ہیں جیسے وہ پیپی سے نکلا ہوا موتی ہو۔ اس موتی کی آب کو زمانے کے آلودگیوں سے مصفا رکھنے کے لیے انہیں پھر [illegible] تھی۔ انصار سے وہ جب بھی توقع رکھتی' مایوسی سے [illegible] ہوا پاتا' انصار کسی کی تعریف و توصیف کرنا جانتا [illegible] تھا۔ ہاں مذاق کرنے اور فقرے چست کرنے [illegible] پیش پیش رہتا۔

[illegible] کبھی موڈ میں ہوتی تو انصار سے فرمائش کرتی [illegible] بالکل بچائی سے کام لے کر امامہ کی شخصیت پر [illegible] وہ انصار کے دل پر پڑی نقاب کے کونے [illegible] کر اندر جھانکنا چاہتی تھی مگر وہ بھی ایک ہوشیار [illegible] بھی زبان یا عمل سے امامہ کی تعریف تو اس نے کی [illegible] یہاں نکتہ چینی ضرور کرتا' اعتراض سے باز نہ [illegible]

[illegible] کو علم تھا امامہ کے ابو نے اسے اپنی بیٹی کے [illegible] نامزد کر دیا ہے۔ ان کی نازک مزاج بیٹی عزیزوں کے [illegible] اٹھانے سے قاصر رہے گی اسی لیے اس کی خدمت [illegible] سے وابستہ کر دی گئی۔ انصار جو بے حد غیرت [illegible] اور خوددار لڑکا تھا۔ امامہ کے والد کا رشتہ دار اور [illegible] سے ہی ان کے گھر میں اس نے اپنی جگہ بنائی [illegible] جب اس کے والدین نہ رہے اور چچا نے اسے [illegible] نے ساتھ رکھنے سے معذوری ظاہر کر دی تو امامہ کے [illegible] نے ہی اس کی سرپرستی کی۔ اس وقت بھی انصار [illegible] نے ان کا احسان قرض جان کر قبول کیا تھا۔ وہ کچھ [illegible] سے بعد گھر بھر کی محبت خلوص اور مروتوں کے سائے [illegible] ب کر رہ گیا۔

[illegible] کے ابو نے اسے دنیا میں سربلند رہنے کے [illegible] بہت سی نصیحتوں کے ساتھ۔ تعلیم کے میدان [illegible] عمل اور مضبوط قوت ارادی کا بھی سبق دیا تھا' جو [illegible] انصار کو ابھی تک یاد تھا۔ اس نے ان کی توقعات پر [illegible] اترنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ وہ جو اس کے دور کے [illegible] تھے مگر جن کے دل میں اس کے لیے وہی محبت [illegible]

[illegible] خواہشیں' جو وہ بیٹی کے لیے رکھتے۔ انصار کے لیے [illegible] ایسا ہی چاہتے ہوں صرف اس لیے کہ وہ کسی سے [illegible] نہ رہے۔ سر اٹھا کر چلے اور جب چلے تو شرمندگی یا

UrduPhoto.com

میدان عمل میں آنا پڑا۔

انصار کئی دن بہت جھنجلایا ہوا رہا۔ وہ ضد کرتا کھانا نہ مانتا اور رات کو چپکے چپکے روتا۔ اس کی سسکیاں اماں بی کے لیے ایک مانوس نغمہ ہوتیں۔ لیکن رفتہ رفتہ بہت آرام اور دانائیت سے انہوں نے انصار کو اپنا مان لیا۔

سب سے پہلے اسے اسکول میں داخل کیا گیا۔ وہ اماں بی کی شفقت اور بھائی جان کی زیر سرپرستی دوسرا اقبال بننے کے لیے ہمہ تن تیار ہو گیا۔ دوسرا اقبال کافی دن اس کے ننھے ذہن پر چھایا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ دوسرا اقبال کیا ہوتا ہے۔ پہلا اقبال ہی سمجھ نہ سکا۔ تب کئی برسوں کے بعد اماں بی نے اسے کہانی سنائی۔ پہلے اقبال کی کہانی۔ ان کے اپنے بیٹے کی کہانی جو بچپن میں باپ کے سائے سے محروم ہو گئے تھے اور کسی رشتے دار نے ان کی ذمہ داری قبول کرنے کا اقرار نہ کیا تو اماں بی نے محنت مزدوری کر کے سلائیاں کڑھائیاں کر کر کے پیٹ کے مسئلے کو حل کیا۔

پھر تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ ایک فیکٹری میں ملازم ہو گئے دوسری شفٹ میں۔ میٹرک کر کے انہوں نے چھوٹے موٹے کورس کرنا شروع کیے۔ یہاں تک کہ ان کے کام کی ایمان داری اور سچائی کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ اچانک ہی ان کی ساری محرومیاں ختم ہو گئیں۔ ہاتھوں کے ہنر اور قوت ارادی و خود اعتمادی کی دولت نے دنیاوی دولتوں کے دروازے کھول دیے اور آخر عمر میں اماں بی نے بیٹے کے ہاتھوں خوب عیش کیے۔ اب وہ مفلس نہ رہے تھے۔ ان کا مستقبل روشن تھا اور تمام رشتے دار اب پھر سے ان کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔

معاشرے میں ان کا ایک مقام تھا۔ سماج میں عزت تھی اسی لیے ایک بڑے خاندان کی تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی میں مشکل نہ ہوئی۔ انہوں نے بیوی سے بھی انصار کے لیے اسی محبت اور خلوص کی تمنا کی اور انہوں نے انصار کو وہی رتبہ دیا' ویسی ہی محبت کی جیسا کہ ان کے شوہر چاہتے تھے۔ ان کا گھر واقعی جنت کا نمونہ تھا اور جنت کی حور اماں بی اب اس دنیا میں نہیں تھیں لیکن وہ انصار کو جیسا بنانا چاہتی تھیں وہ ویسا ہی بن گیا تھا۔

دنیا میں قدم جما کر' سر اٹھا کر چلنے والا با عمل انسان۔ جذبات سے زیادہ عقل سے کام لینے والا۔

یہ الگ بات کہ فطری طور پر وہ خوش مزاج اور زندہ دل تھا اور جب سے نانی اماں نے اس گھر میں قدم رکھا تھا' اسے دوسرا موضوع بھی مل گیا۔ نانی اماں بہت حیران ہوتی تھیں۔ جب سوچتی تھیں کہ امامہ کے لیے اس کے باپ نے انصار ہی کو کیوں منتخب کیا۔ انصار کے تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ملازمت کے حصول کے بعد انہوں نے اسے الگ گھر میں منتقل کروا دیا۔ انصار ایک چھوٹے سے گھر میں تنہا رہتا تھا۔ کبھی کبھی یہاں بھی رہ جاتا لیکن مستقل ٹھکانا الگ تھا۔ اماں کے ابو جاتے تھے' وہ ہر قسم کے حالات سے گزر کر [illegible] کی طرح کندن بن چکے تھے۔ اسے کسی رہنمائی کی حاجت نہ رہی۔ وہ اپنے بارے میں خود ہی سوچے اور مناسب قدم اٹھائے۔ صحیح فیصلے کرے اور اس فیصلے پر قائم رہے' اسی میں قوت ارادی کی مضبوطی کی پہچان ہوتی ہے۔

انصار کبھی کبھی اپنے عزیزوں سے بھی ملتا' بچپن میں بھی وہ سب سے ملتا تھا لیکن ان دونوں اس کے عزیز اس سے مل کر خوش نہیں ہوتے تھے۔ البتہ اب ہر گھر میں اس کی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ کبھی کبھی امامہ بھی اس کے ساتھ انصار کے چچا' ماموں اور خالہ کے گھر جاتی اور سب سے خوب کھل مل کر باتیں کرتی۔ واپس آ کر وہ ایک آدھ کہانی لکھ مارتی۔ انصار اسے چوں چوں کا مربہ کہتا۔

انصار کے چچا کی ایک لڑکی بہت بیمار تھی۔ امامہ کو اس سے بہت ہمدردی تھی۔ وہ اکثر اس سے ملنے چلی

اور تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔" انصار نے انہیں مشورہ دیا۔

"بھئی! میرے تو نزلے سے بال سفید ہو گئے ہیں۔ میری عمر اتنی نہیں ہے اور یہ تو برسوں پہلے سے سفید ہو رہے ہیں۔ اصل میں بال بڑھانے کے شوق میں' میں نے نت نئے تیل آزمائے تھے۔" نانی اماں کو چہرے کی جھریوں اور لٹکتی کھال کا اندازہ نہ تھا۔

"میرا خیال ہے' آپ بھائی جان سے کچھ ہی بڑی ہوں گی۔" انصار انہیں خوش کرنے کو کہتا اور نانی اماں کا چہرہ چمک اٹھتا۔

"کم عمری میں شادی ہو گئی تھی۔" وہ نہال ہو کر بول اٹھتیں۔ "جلدی جلدی بچے ہو گئے۔"

"کتنی جلدی بڑی اماں! سال میں تین چار بار؟"

امامہ کی بہت عزیز سہیلی نرگس کئی مہینے بعد ملنے آئی۔ اس کی شادی ہو چکی تھی۔ شادی کے کچھ دن بعد

UrduPhoto.com

تھی۔

"اوئی! یہ کون سا وقت ہے تصویر لینے کا۔ ذرا میں بال تو باندھ لوں۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ' تصویر کیا خاک آئے گی۔ ذرا مجھے تیار ہونے دو۔" نانی اماں جلدی جلدی کنگھا کرنے لگیں۔

"نہیں تو مالش کرتے ہوئے تصویر لینا چاہتی تھی نانی اماں! تاکہ جب چار مالشوں کے بعد آپ گنجی ہو جائیں تو میں تصویر دکھا کر کہوں۔ "مالش سے پہلے اور مالش کے بعد۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے ہاتھ کی مالش سے نانی اماں کے کالے بال نکلنا شروع ہو جائیں۔" انصار' نانی اماں کے دوپٹے سے چکنے ہاتھ رگڑتے ہوئے بولا۔ نانی اماں کنگھا کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کا دوپٹہ تیل سے چکنا ہو گیا۔ انہیں خبر نہ ہوئی۔

"بڑی اماں! آپ سفید بال رکھا کریں۔ بڑی بزرگی

جب وہ آئی تو اسے واپس جانے کی بہت جلدی تھی۔ کیونکہ اس کے میاں گھر میں دفتر کا کام لے آئے تھے۔ اس فارغ وقت میں وہ امامہ سے ملنے چلی آئی مگر بھاگنے کے لیے تیار۔ اس کے کئی ماہ بعد آئی تو ساس کی خفگی کا ڈر تھا اس لیے پندرہ منٹ بعد ہی وہ چلی گئی۔ اس کے بعد میاں کے ساتھ آئی تو بچے کو ساس کے پاس چھوڑ کر آئی تھی اس لیے واپسی کی جلدی تھی۔ اب وہ آئی تو امامہ نے اس کی صورت دیکھتے ہی تصدیق چاہی۔

"میاں گھر پر ہیں؟ ساس اکیلی ہیں؟ بچہ اکیلا ہے؟ گھر اکیلا ہے؟"

"بالکل اکیلا ہے۔" نرگس نے مطمئن لہجے میں بتایا۔ "ساس اپنے بھائی کے ہاں گئی ہیں۔ میاں انہیں واپس لانے گئے ہوئے ہیں بچے کو ساتھ لے گئے ہیں تاکہ اس کی محبت میں ہی واپس آجائیں۔ وہ مجھ سے خفا ہو کر چلی گئی ہیں اپنے میکے۔"

"شش۔ نہیں۔" امامہ نے جلدی سے اسے روکا اور بھاگ کر کاپی قلم اٹھا لائی بولی۔ "ہاں اب بتاؤ تمہاری ساس تم سے خفا ہو کر میکے جا بیٹھی ہیں اور تمہارے میاں انہیں منانے گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ۔"

"مطلب یہ کہ مجھے فرصت ہی فرصت ہے۔ جتنی دیر وہاں ڈرامہ ہوگا میں یہاں سٹر سکتی ہوں۔"

"خوب! تو تمہیں فرصت ہے۔ اچھا تو اب اس کہانی کو آغاز کی سمت موڑنا ہوگا بولو۔"

نرگس اپنی آپ بیتی سنانے لگی۔ امامہ کاغذ سیاہ کرتی گئی کہانی کا کلائمکس آیا تھا مگر انجام پردہ غیب میں مستور تھا۔ نرگس بہت دل برداشتہ منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔

"اب اس کا انجام کیا ہو؟" امامہ فکر مندی سے نرگس کو دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں۔" نرگس نے منہ موڑ کر پیچھے بیٹھے انصار کو سلام کیا۔ پھر امامہ کی طرف گردن موڑی۔

"نرگس! تم کو پتا ہے یہ مائیں بیٹے کی شادی کر کے ساس کیسے بن جاتی ہیں؟"

"پتا نہیں۔" نرگس نے بے نیازی سے کہا۔ "میں ساس نہیں بنی ابھی تو بہو ہی ہوں۔"

"مگر ارادہ تو ہے نا؟"

"ہاں' وہ تو ہے مگر تم تو بہو بھی نہیں بنو گی امامہ! کیونکہ تمہاری کوئی ساس نہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا؟" امامہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آنٹی نے بتایا تھا تمہاری شادی انصار بھائی سے ہوگی۔ ان کا تو کوئی آگے پیچھے نہیں۔"

"ہونہہ!" امامہ نے تنفر بھرے لہجے میں کہا۔ "میں شادی نہیں کروں گی انصار سے۔ مداری سے ہی نہ کر لوں سیدھے بھاؤ۔"

"کیا تم انکار کر دو گی؟" نرگس حیرانی سے بولی۔

"قطعی۔"

"میں بھی انکار کر دوں گا۔" انصار پیچھے سے بولا۔

"کیا؟ آپ بھی؟"

"ہاں بھئی' امامہ سے شادی کر کے مجھے کیا لینا ہے۔"

"ہاں ہاں' کہئے آگے۔"

"بھئی' ریکارڈ گھسا ہوا ہے۔ اٹکتا ہے۔"

"اوہ! تم نے مجھے ڈرا دیا۔" نرگس نے لمبا سانس لے کر کہا۔ "مکمل سناؤ۔"

"اصل میں مجھے اپنی زندگی کی کہانی ایسے ہی پسند ہے۔ میں اس کا ٹریجڈی روپ نہیں سننا چاہتا۔ کیوں کہ ٹریجڈی ہو گئی۔" امامہ نے کاغذ پر لکیریں بنانا شروع کر دیں۔

"مجھے بھی یہ ٹریجڈی۔" انصار نے امامہ کی طرف اشارا کر کے کہا۔ "ایسے ہی پسند ہے۔ اس کا دوسرا روپ بہت بھیانک ہوگا۔"

"کیا؟ تم نے مجھے بھیانک کہا۔" امامہ کاپی قلم پھینک کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹریجڈی کو بھیانک روپ دینا ایک کہانی لکھنے والے کا کمال ہوتا ہے۔" انصار نے بے باکی سے کہا۔ امامہ تنفر کر اندر چلی گئی۔ انصار نرگس سے گپ شپ

رات کو امامہ نانی اماں کے پاس پہنچی۔ "نانی اماں! نرگس کی کہانی کا انجام کیا ہونا چاہیے؟ بہت سوچ بچار کے ساتھ صحیح قسم کا انجام بتائیے۔"

نانی اماں سوچتی رہیں۔ "بس انجام کیا۔ ساس گھر آئے گی۔ اپنے گھر کے سوا عورت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا اور اپنا گھر وہی ہوتا ہے جہاں اس کا شوہر اور اولاد ہو۔"

"یہ تو بڑی بات ہے۔ ہوئی ساس گھر میں چاہے کتنا ہی آزاری کا سامان ہو' حقوق ادا کیے جاتے ہوں یا نہ بھی' نہ چاہتے ہوئے بھی کیا اسی گھر میں آجانا چاہیے؟"

"ہاں آنا چاہیے۔ مگر اپنے حقوق کی بحالی کے لیے۔ لیکن اس بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں درگزر کرنے میں ہی عزت اور شان ہے۔ تو کچھ بچا نہیں۔ کوئی نیا' پھر ستا ہوا انجام بتائیے۔"

"میں بتاؤں؟" انصار جانے کدھر سے ٹپک پڑا۔ "ہیروئن کو مار دو۔"

"ہیروئن کدھر ہے' ساس ہے۔ بہو ہے۔"

"ساس کو مار دو۔ بس ہو گیا انجام۔"

"کیا کہا؟" نانی اماں بھڑک گئیں۔ "ساس کو کیوں مار دو' واہ! اس کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ بہو کے آنے کے بعد بیٹے کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی ہے۔ بہو وقت بے وقت اس کی تذلیل کرتی ہے۔ اس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ گھر میں سرد جنگ کا آغاز ہو گیا ہے۔ وہ خطا کار نہیں' مگر اپنے ہی گھر میں ملزموں کی زندگی گزارنے پر مجبور کی جا رہی ہے۔"

"کسی ایک کو راستے سے ہٹنا ہوگا۔" انصار نے فکر مندی سے آسمان پر نظریں جما دیں۔

"کیوں ہٹنا ہوگا؟" نانی اماں چڑ گئیں۔ "اور اگر ہٹنا ہی ہے تو بہو کو بھگتنا ہے تو بہو کو بس۔"

"نانی اماں! اصل میں مسئلہ اتنا بڑا ہے نہیں جتنا ساس کے رویے کی وجہ سے بڑھ گیا ہے۔ اگر وہ روٹھ کر میکے نہ جا بیٹھی ہوتیں تو بات ہی نہ بڑھتی۔"

"بات تو بڑھ چکی تھی۔ تب ہی وہ گھر چھوڑ کر چلی گئیں۔ نہیں تو کوئی عورت اپنا گھر چھوڑ کر کسی کے گھر۔"

نانی اماں اچانک خاموش ہو گئیں اور دیر تک خاموش رہیں۔ جب امامہ انہیں خوب جھنجھوڑ چکی' تب انہوں نے جیسے نیند سے بیدار ہو کر آہستہ سے کہا۔ "تم نے بہو کی زبانی سنا ہے۔ اب اس سے بھی سنو۔ تب تمہیں معلوم ہوگا' زیادتی کس کی ہے؟"

"مجھے معلوم ہے۔" انصار نے دخل در معقولات کی حد میں پھلانگتے ہوئے اعلان کیا۔ "زیادتی سراسر اس بیٹے کی ہے جو ماں اور بیوی کے درمیان انصاف قائم نہیں کر سکا بیوی کے سامنے بیوی کا اور ماں کے سامنے ماں کا بن جاتا ہے۔ منافق کہیں کا۔"

"تم چپ نہیں رہ سکتے؟" امامہ نے چڑ کر کہا۔

"رہ سکتا ہوں۔ وہ کون سا کام ہے جو میں نہیں کر سکتا۔" انصار فخر سے بولا۔ "لیکن میں اب سوچتا ہوں کہ تم یہ کاپی قلم رکھ دو اور سنجیدگی سے کچھ گھر داری کے کام بھی سیکھو۔ تمہاری ساس تو ہو گی نہیں جو پکا کر کھلائے اور گھر کی صفائی کرے۔ نوکر رکھنے کی میری استطاعت نہیں۔"

"نہ ہو! تو مجھے نوکر بھی نہیں دے سکتے کیا؟"

وہ نانی اماں کے سامنے اس قسم کی گفتگو کرنے پر انصار سے خفا ہو گئی۔ حد ہے بے باکی کی۔ بڑے چھوٹے کا لحاظ ہی نہیں۔ اسے علم نہ تھا کہ جب بھی وہ امامہ پر احسان رکھ کر رات گزارنے پر تیار ہوتا ہے تو نانی اماں سے ہر قسم کی گفتگو ہوتی ہے اور ان میں اب خاصی مفاہمت ہو چکی ہے اور انصار کو تو نانی اماں پر گزری ہوئی ہر زیادتی کا علم ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر چھوڑ کر بیٹی کے پاس آگئی ہیں۔

UrduPhoto.com
posted by Mina@oneurdu.com

"تمہارے ابو بہت کچھ دے چکے ہیں اور رہی سہی کسر تمہارا ہاتھ دے کر پوری کر دیں گے۔ بس اس سے زیادہ میں ان سے نہیں لوں گا۔ یہ خیال دماغ سے نکال دو جتنی حیثیت ہے اسی میں تمہیں گزارہ کرنا ہو گا۔"

"میں نہیں کر سکتی۔ بشیراں کے بغیر میرے ہاتھ پیر ہی نہیں چلتے۔"

"تمہیں اس محتاجی کی زندگی کو خیرباد کہنا ہو گا۔ خود ہی کھانا پکانا ہو گا۔ تمہیں ہی جھاڑو پوچا کرنا ہو گا اور تم ہی کپڑے دھوؤ گی۔ یہاں تک کہ اپنے کپڑے خود ہی سیو گی بھی۔"

"تم ایک ملازمہ رکھ لو وہ سب کچھ کرے گی۔ رہا کپڑے سینے کا سوال تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تم درزی سے اپنے کپڑے سلواؤ۔ میں اپنے کپڑے خود سیوں۔"

"تم میرے بھی دشمن ہو۔ میں بخوشی ان کپڑوں کو پہن لیتی ہوں۔"

"مگر میں تمہارا کام نہیں کروں گی۔ اس کے لیے تمہیں۔"

بولا۔ "پھر ٹھیک ہے۔"

"جان نکال کر رکھ دوں گی تمہاری۔ مجھے کمزور نہ سمجھنا۔"

امامہ غصے میں پاؤں پٹختی اندر چلی گئی۔ انصار مطمئن انداز میں ہاتھ کمر پر باندھے ان میں ٹہلتا رہا۔ بہت دیر تک امامہ اندر روتی رہی۔ یہاں تک کہ انصار چلا گیا۔ اسے سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

کئی دن انصار نہیں آیا تو نانی اماں کو فکر ہو گئی۔ انہوں نے بشیراں کو بلا کر کہا۔

"آج ذرا انصار کی طرف تو چلی جا۔ سنا نانی اماں کے کئی دن سے تیل مالش نہیں ہوئی اور اس کی طرح کوئی مالش کرتا بھی نہیں۔"

امامہ نے جلدی سے کہا۔ "میں بھی چلوں گی بشیراں!"

وہ دونوں پہلے نرگس کے گھر گئیں۔ بشیراں تو باہر صحن میں بیٹھ کر نرگس کی ساس سے باتیں کرنے لگی جو پلنگ پر بیٹھی کچھ سی رہی تھیں۔ ان کے زانو پر سر رکھے ان کا پوتا لیٹا چابیوں کے گچھے سے کھیل رہا تھا۔ نرگس کمرے کے اندر تھی۔ امامہ نے جا کر پوچھا۔

"سناؤ، تمہاری ساس کیسے مانیں؟ کب آئیں اور حالات کدھر کا رخ اختیار کر رہے ہیں؟"

"دیکھ تو رہی ہو۔" نرگس نے کہا۔ "وہ آنگن میں ٹھاٹھ سے بیٹھی بیٹے کا کرتا سی رہی ہیں۔ پوتے کو بھی کلیجے سے لگا رکھا ہے۔ اب بیٹے آئیں گے انہیں بھی باتوں میں لگا کر بٹھالیں گی اپنے پاس۔ وہ ماں کو اپنا کرتا سیتا دیکھ کر رشتہ مطمئن ہو جائیں گے۔ جو بچے کو بھی لیے بیٹھی ہیں یعنی ایک وقت میں دو کام کر رہی ہیں۔ بس پھر وہاں سے آنکھ کے اشارے مجھے باتیں سنائیں گے کہ میں سارا دن خالی بیٹھی رہتی ہوں۔ ان کی بوڑھی ماں مصروف رہتی ہیں اور یہ کہ میں انتہا درجے کی کاہل اور [illegible] ان کی ماں پر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بھی کل ان سے کہہ دیا ہے کہ جب سب کچھ وہی کرتی ہیں تو بے شک کریں۔ گھر کی کنجیاں بھی میں نے ان کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔ اب جو چاہیں پکائیں۔ جس طرح چاہیں بیٹے پوتے کو قابو کریں۔ میں تو بس ناکارہ ہوں اس لیے چند دن کے لیے جا رہی ہوں اپنی خالہ کے ہاں۔ یہ آزمائشی پروگرام ہے۔ چند دن بعد آؤں گی۔ پھر دیکھوں گی جیت کس کی ہوئی۔"

نرگس کا پروگرام خاصا خطرناک تھا۔ امامہ نے اسے سمجھایا۔

"تم مقابلہ کیوں نہیں کر لیتیں۔ یہ مقابلے کی دوڑ تو تمہیں تھکا دے گی۔"

"ہاں میں تھک گئی ہوں امامہ! عورتوں کے ساتھ یہ سلسلہ دوڑ کی کیفیت لیے رہتا ہے۔ سب سے پہلے لڑکی کو ماں کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ وہ اماں سے بہتر کام کر

UrduPhoto.com

کے باپ کو خوش کرتی ہے۔ پھر شادی کے بعد ساس کے ساتھ یہ دوڑ جاری رہتی ہے۔ پھر جب وہ لڑکی کی ماں بنتی ہے تو کچھ عرصے بعد بہو سے مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے۔ میری امی بھی میرے کام اور کام کی صفائی اور پھرتی سے خائف رہتی تھیں۔ وہ اپنا کام بڑھا چڑھا کر پیش کرتیں۔ اپنی ہمت اور حوصلے کے قصے بیان کرتیں۔ صرف اس لیے کہ میں مرعوب رہوں اور ابا کے سامنے ان کی اہمیت قائم رہے۔ اب اب کی ڈور ساس کے ساتھ ہے۔ میں کم وقت میں زیادہ کام کرتی ہوں مگر میرے میاں کو نظر نہیں آتا۔ انہیں نظر آتا ہے اپنی ماں کا کام۔ وہ کپڑے دھو رہی ہیں۔ وہ برتن دھو رہی ہیں یا کھانا نکال رہی ہیں۔ ان کے رکھنے دھونے ہاتھوں سے چپلیں اور ڈھیلی کر کے ٹوٹ رہی ہیں تو قصور وار میں ہوں۔ ان کی نظر کی کمزوری کے باعث جو بھی نقصان ہوتا ہے' اس کی ذمے دار میں ہوں۔ یہ ہے اس دوڑ کا آغاز' اب انجام کیا ہو گا' یہ میں ایک ہفتہ خالہ کے گھر رہ کر آؤں گی۔ تب پتا چلے گا۔"

"تم خاموش کیوں نہیں کر لیتیں؟" امامہ نے اپنی بات دہرائی۔ "ماں کو کہ وہ تمہاری بزرگ ہیں۔ ساس جیسی ہیں۔ وہ حکم دیں اور تم بجالاؤ۔"

"میں یہ بھی کر چکی ہوں۔" نرگس نے پریشانی سے کہا۔ وہ سچ مچ بہت تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

بہرحال بڑھاپے میں ہے کہ میاں اور ساس دونوں مجھ پر چالاکی کا الزام رکھتے ہیں کہ میں تھکتی ہوں' اپنا الو سیدھا کرنے کو اطاعت پر رضامند ہو جاتی ہوں' جو نظر آتی ہوں ویسی نہیں ہوں۔ وغیرہ۔ مگر اب کہانی کا نکسن پر آ چکی ہے۔ تخت یا تختہ۔ میں ہر قسم کے انجام کے لیے خود کو تیار کر چکی ہوں۔ میاں ٹکٹ لینے گئے ہیں۔ ساس نے پوتے کو بھیجنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ اس طرح مجھے جھکانا چاہتی ہیں مگر میں اتنی کمزور نہیں۔ میں چاہوں تو انہیں یہیں رہ کر جھکنے پر مجبور کر دوں مگر میں جاہل عورتوں کی طرح زیادتی نہیں کروں گی۔ ہر بات اپنے منطقی انداز میں انجام کو پہنچنے سے تو بہتر ہے۔ میں کسی پر الزام بھی نہیں رکھنا چاہتی۔ اس لیے فی الحال منظر سے ہٹ رہی ہوں تاکہ میری اہمیت کا انہیں اندازہ ہو جائے۔"

امامہ گھر آئی تو پریشان تھی۔ پہلے نرگس کے ہاں سے اداس ہو کر آئی۔ پھر انصار کے گھر گئی تو وہ بہت رنجیدہ سا گھر میں لیٹا تھا۔ گھر میں کئی دن سے شاید جھاڑو نہیں دی گئی تھی۔ پھٹے ہوئے کاغذ یہاں وہاں اڑتے پھر رہے تھے۔ میلے کپڑے' کرسی پلنگ اور صحن میں بکھرے پڑے تھے۔ بشیرن نے صفائی کرنا چاہی تو انصار نے منع کر دیا اور کہا۔

"اب اس گھر کی صفائی امامہ ہی کرے گی۔ ابھی کرے یا شادی کے بعد' یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔"

امامہ منہ پھلا کر بیٹھی رہی۔ انصار چائے بنا کر لایا اور اس نے بہت کم وقت میں چپس بھی تل کر رکھے مگر امامہ نے کچھ نہیں کھایا۔ اس لیے وہ بغیر کچھ کہے بشیرن کو لے کر چلا گیا۔ امامہ کی ماں کے سوالات ہی ختم نہیں ہو رہے تھے۔ پھر امامہ کے پاس آئیں۔ امامہ تو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی اس نے نانی سے خوب شکایتیں کیں۔

"نانی اماں کو پوچھنا چاہیے تھا۔ شاید اس کی طبیعت خراب ہو یا کوئی اور پریشانی ہو۔ اس نے بتایا نہ ہو گا۔ تم پوچھتیں تو شاید بتاتا۔ معمولی سی باتیں بغیر پوچھے نہیں بتاتے۔"

امامہ کو اب پچھتاوا ہونے لگا۔ شاید وہ کچھ پوچھتی تو وہ اصل بات بتاتا۔ مگر جب تو امامہ کو شدید قسم کی جھلاہٹ نے آن گھیرا تھا۔ وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ کل پھر جاؤں گی۔ اس نے سوچا اور مطمئن ہو گئی۔ لیکن اس کے جانے کی نوبت ہی نہ آئی۔

رات کو وہ خود ہی آ گیا۔ امی ابو کسی شادی میں گئے ہوئے تھے۔ امامہ نانی کے پاس بیٹھی نرگس کی کہانی دہرا رہی تھی۔ وہ آیا تو نانی نے بہت آؤ بھگت کی۔ امامہ سے کہہ کر چائے منگوائی۔ نمک پارے اور سموسے' بسکٹ اور کیک جو کچھ باری باری امامہ لا کر رکھتی رہی

UrduPhoto.com

لیکن منہ بنائے سب کچھ کھاتا رہا۔ نانی اماں کے سوالوں کے جوابات بھی دیتا رہا۔

نانا چچا زاد بہن بہت بیمار ہو گئی تھی۔ چچا خود آ کر انصار کو ساتھ لے گئے کہ شاید اس کا کوئی واقف ڈاکٹر انصار کو ساتھ لے گئے کہ شاید اس کا کوئی واقف ڈاکٹر وہ موقع میں چلا گیا لیکن دیکھا تو واقعی زبیدہ شدید قسم کے دورے میں مبتلا تھی اسے ہاسپٹل میں داخل کروایا۔ اتفاق سے ایک ڈاکٹر اور نرسیں بھی واقف کار کل آئیں مگر زبیدہ کی حالت کافی سیریس تھی۔

روز صبح وہ جاتا تھا۔ وہیں سے ہاسپٹل اور رات کو گھر آتا تو الٹا سیدھا پکا کر کھاتا۔ برتن دھوتے اور گھر کی صفائی کرتے تو بستر پر گر کر بے خبر سو جاتا۔ کام والی مائی کا ٹائم ایک ہی تھا اس میں وہ گھر آتی ہو گی اور دروازہ مقفل پا کر چلی جاتی ہو گی۔ آج زبیدہ کی طبیعت کچھ بحال تھی اور اسے ہوش آنے بہت سے لوگ ہاسپٹل پہنچے ہوئے تھے۔ اس لیے انصار کو گھر آنے کا موقع مل گیا۔ اسی وقت امامہ بشیرن کو لے کر پہنچ گئی۔ وہ بے حد تھکا ہوا اور اداس تھا۔ امامہ کی آمد کی اطلاع اس نے فون پر دے دی تھی۔ امامہ کی ہمدردی اور اس کی کار کی پیشکش کا علم ہوا تو اس نے فوراً ہی قبول کر لی۔ اس لیے کہ اس نے چڑ کر کہا کہ اب امامہ کو ہی صفائی کرنا ہو گی۔ حالانکہ ان لوگوں کے آنے کے بعد مائی آ گئی اور اس نے صفائی کی۔ اتنے دنوں کے رکے ہوئے سارے کام وہ کر گئی۔ تب وہ یہاں آیا۔

دراصل زبیدہ بہت نیک اور معصوم لڑکی تھی اس لیے انصار اس کی علالت سے پریشان تھا۔ چچا جیسے بھی ہوں' ان کی اولاد سب انصار سے محبت کرتی اور زبیدہ تو بھی ہی اتنی نیک اور صالح۔ اس کی صحت اور علاج کے لیے انصار کافی پریشان تھا۔

لیکن امامہ نے اس کی پریشانی کا سبب پوچھنے کے بجائے اعتراضات شروع کر دیے اسی لیے وہ جھنجلا گیا۔

"اچھا' صحیح صحیح بتاؤ۔" امامہ اب نادم سی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ "زبیدہ کو کیا تکلیف ہے؟"

"وہاں سب کو تکلیف ہے۔ وہ لوگ جو ہاسپٹل میں اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں بہت زیادہ۔"

"میرا مطلب ہے زبیدہ کو ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے؟"

"ایک بیماری کا لمبا سا نام جو کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"میں کل اسے دیکھنے جاؤں گی۔" امامہ نے سوچ کر کہا۔

→ →

اگلے دن وہ بشیرن کو لے کر ہاسپٹل گئی۔ زبیدہ واقعی کافی بیمار تھی۔ اس کا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا' رنگ زرد' جسم میں خون کی کمی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ امامہ اس کی ہڈیوں میں دھنسی آنکھوں کی بے جان کیفیت دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ زبیدہ کی امی نے اسے الگ لے جا کر سرگوشیوں میں بتایا۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں اسے کوئی خطرناک بیماری نہیں۔ صرف سوچنے کا مرض ہے۔ بہت زیادہ محسوس کرتی ہے اور دل پر کوئی بوجھ لیے بیٹھی ہے۔ بوجھ ہلکا ہو جائے تو اس کا مرض جاتا رہے گا جو اس کے احساس کا پیدا کردہ ہے مگر وہ کچھ بتاتی نہیں۔ چپ۔ صرف چپ رہتی ہے۔"

"اچھا۔" امامہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ "یہ کب سے ہے اس کی کیفیت؟"

"کئی برسوں سے۔"

"آپ نے محسوس نہیں کیا کہ کس واقعے یا کسی خاص موقع کے بعد اس کی یہ چپ رہنے والی حالت ہوتی ہے۔ آپ یاد کریں پھر بیماری تلاش کی جا سکے گی۔"

"ہاں نفسیاتی کیس معلوم ہوتا ہے۔ زبیدہ کے ابا تو نہیں مانتے۔ انصار نے کہا ہے۔ اسے کسی نفسیاتی ڈاکٹر کو دکھایا جائے۔ اس کی حالت کچھ بہتر ہو تو۔"

"انصار نظر نہیں آ رہے؟" امامہ نے دبی زبان سے پوچھا۔

"ہاں پتا نہیں۔ زبیدہ کی بیماری کے بعد آج پہلا دن ہے کہ وہ آیا نہیں۔ بہت محبت کرنے والا لڑکا ہے۔ سارا دن بلکہ رات گئے تک یہیں بیٹھا رہتا تھا'

بھوکا پیاسا۔ بیمار زبیدہ ہوئی اور کھانا پینا انصار کا چھوٹ گیا۔ زبیدہ کو دوا بھی وہی پلاتا تھا اپنے ہاتھ سے۔ میں سمجھتی ہوں اس کی مسیحائی نے زبیدہ کو زندگی کی طرف لوٹایا ہے۔ نہیں تو اس کے مرنے میں کسر ہی نہیں رہی تھی۔ کوئی بھی پرامید نہ تھا مگر انصار کہتا تھا کہ زبیدہ کو زندہ رہنا ہوگا۔ اسے میں مرنے نہیں دوں گا۔"

"اچھا!" امامہ حیرت سے ان کی بات سن رہی تھی۔ "اتنی بات کرلیتے ہیں وہ۔"

"پتا نہیں آج کیوں نہیں آیا۔ کاشف نے اس کے ہوش نون کیا تھا۔ وہ وہاں بھی نہیں پہنچا۔"

امامہ واپسی میں انصار کے گھر گئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ صحن سنسان تھا اور مہکتا ہوا لگ رہا تھا۔ صحن میں لگی رات کی رانی شام سے ہی خوشبو میں نہا گئی تھی اور کچھ بھینی بھینی خوشبو سے سارا ماحول خواب ناک سا ہو رہا تھا۔ انصار کمرے کے اندر کھڑکی کھولے کھڑا تھا اور گھر کی پشت والی گلی میں جھانک رہا تھا۔ امامہ کی آواز سن کر مڑا۔ سلام دعا کرکے واپس گیا اور صحن میں جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ بشیرن چارپائی پر جا کر بیٹھ گئی۔ امامہ کھڑی رہی۔ انصار نے اسے بیٹھنے کو کہا بھی نہیں اور وہاں آنگن میں دو کرسی بھی نہیں تھی۔ وہاں تو رات کی رانی کی روح پرور اور مست آگیں خوشبو تھی اور انصار تھا تھکا ہوا، پژمردہ اور بے چین سا۔

"وہاں کھڑکی میں کیا کر رہے تھے تم؟" امامہ نے بچوں کے انداز میں پوچھا۔

"باتیں۔" "ہوا بولا۔"

"کس سے؟ کوئی ماہ رخ رہتی ہے وہاں گلی میں؟"

"وہاں جو رہتے ہیں مجھے ان کا نام نہیں معلوم ماہ رخ ہے کہ گل رخ۔"

"اچھا اتنے بھولے ہو۔ باتیں کرنے کے لیے وقت ہے اور ادھر ہاسپٹل میں جو تمہاری کزن بیمار ہے اس کی عیادت کے لیے جانے کا وقت نہیں۔ آفس کیوں نہیں گئے تھے؟"

"بیمار ہوں۔ اکیلا ہوں اور اس گل رخ کہ ماہ رخ کو پیسے دے کر دوائی منگوائی ہے۔"

انصار نے بشیرن سے کہا۔ "تم ذرا چائے بنا دو۔ آج سارا دن بستر پر پڑا رہا۔ کچھ کھایا پیا نہیں بہت اداسی ہو رہی تھی۔ کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے کھڑکی کھول کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں وہ ماہ رخ کہ پتا نہیں گل رخ، کون ہے وہ۔ امامہ شاید اسے جانتی ہے۔ اسی سے باتیں کرنے لگا۔ پیسے دے کر دوا منگوائی ہے اور بیکری سے کچھ لانے کا کہا ہے۔ تم لوگوں کو دیکھ کر ذرا بھوک محسوس ہوئی۔ اطمینان کہ مجھے خود چائے بنانا نہیں پڑے گی ورنہ ابھی اور اسی طرح بھوک پیاسا رہتا۔ اور سناؤ بشیرن! تمہارا مالی میاں کیسا ہے؟"

بشیرن نے دھیرے سے کہا۔ "چائے میں بناؤں بی بی؟" اور کچن میں چلی گئی۔ انصار بشیرن سے باتیں کرتا رہا۔ ذرا دیر بعد وہ گل رخ یا ماہ رخ دوائیں اور بسکٹ وغیرہ لے کر آگیا۔ امامہ چائے لائی تو وہ بیچ پر اٹھ کر اسے تم سے ملانے کے لیے روک لیا ہے۔ یہ سامنے والے گھر میں نئے نئے آئے ہیں۔ انہیں سودا لانے کا بہت تجربہ ہے۔ تمام دن ان کی اماں جان ان سے بازار کے چکر لگواتی ہیں۔ دو آنے کی چھالیہ، چار آنے کا کتھا اور چار آنے کا پان۔ دن میں کئی دفعہ آتے ہیں اور یہی ماہ رخ لاتے ہیں اور ان کی چار چھ آنوں میں سے پیسے بچا کر اپنے لیے پتنگ بھی لے آتے ہیں۔ پھر اماں جان کی گالیاں اور ابا جان کی لاتیں اور گھونسے کھاتے ہیں۔ بہت تجربہ ہے انہیں۔ بہت تجربہ۔"

دس گیارہ برس کا شوخ سا لڑکا جس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے اور میلے ہوئے تھے، کچھ جھینپ رہا تھا جیب سے مسل کر کچھ ریزگاری نکال رہا تھا۔ چپکے سے آگے آکر انصار کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔

"یہ باقی پیسے ہیں۔"

"اچھا۔" انصار نے پیسے لے کر کہا۔ "اب تم

ہوئی تو بروکیڈ کی چادر چڑھائیں گے۔ منگی والی۔"

انصار کو اچھو ہو گیا۔ پیالی امامہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے وہ آسمان کو دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"دیکھو گل رخ! میرا مطلب ہے ذوالقرنین! ابا سے کہنا۔ مزار پر چادر چڑھانے کے بجائے تمہاری اماں پر چڑھا دیں۔ بے چاری کتنے دن سے ایک ہی جوڑا پہنے ہوئے ہیں۔ ان کا بھلا ہو جائے گا۔ مزار پر چڑھانے سے خرچ ہو گا فائدہ کوئی نہیں۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"ابا خفا ہوں گے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ اماں سے کہوں گا، وہ کہہ دیں گی۔ خفا تو وہ اماں پر بھی ہوں گے مگر ماریں گے نہیں۔ وہ اماں کو نہیں مارتے۔ صرف ہمیں مارتے ہیں۔"

"شاید اس لیے کہ وہ مہینوں ایک جوڑے میں گزارہ کر لیتی ہیں اور تم ان کے چار چھ آنے میں سے پیسے بچا کر پتنگ بازی کی عیاشی کرتے ہو۔"

"جی!" وہ شرمندہ ہو گیا۔ "ہم بہت غریب ہیں۔ چچا گنڈے کے لفافے بنا کر دکان پر لے جاتی ہے۔ اس سے جو پیسے ملتے ہیں تو اماں کا پان چھالیہ آتا ہے اور عارفین غبارے بیچتا ہے مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، غبارے بہت سے خراب بھی ہوتے ہیں سوراخ والے۔ عارفین کو پڑھنے کا بہت شوق ہے مگر ابا صاحب کہتے ہیں کہ پڑھ کر کوئی لاٹ صاحب نہیں ہوتا، غریب غریب رہتا ہے بس امیر زیادہ امیر ہو جاتا ہے۔"

"اچھا اب تم جاؤ۔" انصار نے گھبرا کر کہا۔ "اتنا گاڑھا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کل عارفین کو لے آنا۔ میں اسے کتابیں دوں گا۔"

اس کے جانے کے بعد امامہ نے کہا۔ "وہ باقی کے پیسے تم اسی کو دے دیتے۔ بے چارہ کتنا غریب ہے۔"

"میں اسے مفت کی کھانے کے لیے عادی فقیر یا چور نہیں بنانا چاہتا۔ ابھی وہ غیرت مند ہے پھر بے غیرت بن جائے گا تو غریب کے ساتھ مجرم کہلائے گا۔ نہیں نہیں۔ اس طرح کی مدد کے بجائے جو اسے مزید گڑھے میں گرائے، کیوں نہ ایسی مدد کریں کہ وہ اپنے

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہوں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے۔ میں اسے رسموں کا اور عزیز بھائی کی در گشاپ میں خواہوں گی۔"

امامہ جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔ شیران برتن دھو کر رکھ رہی تھی۔ انصار نے دھیمے لہجے میں اسے کچھ اور کہنے کے لیے کہا۔ امامہ نے ٹھہر کر کہا۔

"رات بہت ہو گئی ہے۔ اتنی رات تو ہو گئی۔ امی پریشان ہوں گی اور بھائی اماں تو غصے کے بیٹھی ہوں گی کہ میں کسی حادثے میں جان بحق ہو چکی ہوں۔ تم چلو نا طبیعت اچھی نہیں ہے۔ آرام کر لینا۔"

"کل آؤں گا۔" انصار نے آہستہ سے کہا۔

جب وہ دروازے سے باہر نکلیں۔ ایک بلی بچہ کھڑا دیکھا۔ امامہ نے پلٹ کر دیکھا۔ انصار وہیں کھڑا تھا۔ امامہ نے ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ اسے انصار کی تنہائی اور اداسی کا احساس تو تھا مگر وہ کتنا اور رکتی۔ انصار کو اپنی تنہائی اتنی بیزار کن لگتی ہے تو وہ اس کا تدارک کیوں نہیں کرتا کیوں نہیں شادی کر لیتا۔ امی تو پوری تیاریاں کر چکی ہیں۔ اور حرا اس کے منہ سے ایک لفظ نکلا نہیں کہ وہ فوراً ہی عمل پیرا ہو جائیں گی۔ لیکن انصار پتا نہیں کیا سوچ رہا ہے۔ ابو سمجھتے ہیں انصار شادی شدہ زندگی کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے تو خود ہی تقاضا کرے گا۔ امی کا خیال تھا کہ شاید وہ سمجھتا ہے اسے ایک اشارا کرنا چاہیے۔ امامہ انصار کو تنہائی کی اداس سوچوں کے سمندر میں غرق چھوڑ کر اپنی سوچوں سے خود بہت فکر تھی۔ یہ امامہ کے نہ جانے سے حل کرنا ہو گا۔

صبح بہت خوب صورت سی صبح تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے نرم جھونکوں سے جسم کو بہت فرحت ہو رہی تھی اور دل میں امنگ سی اٹھ رہی تھی۔ امامہ کسی کی گم کی تلاش میں دماغ پر زور دے رہی تھی کہ نرگس نے اسے دیکھ کر سارے خوشی کے امامہ کی چیخ نکل گئی۔ نرگس بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔

"کب آئیں نرگس؟"

"کافی دن ہو گئے۔" نرگس نے مطمئن اور مسرور لہجے میں بتایا۔

"جیت کس کی ہوئی؟ ظاہر ہے تمہاری؟ کیوں؟"

امامہ کا خیال تھا۔ نرگس بڑھ بڑھ کے بولی باتیں کی کہ میرے بغیر کام نہیں چلا۔ بیٹے نے رو رو کر دہائی اور باپ کو کچھ کھا دودھ یاد دلا دیا۔ ساس سے گھر کے کام نہ ہو پائے۔ مجبوراً میاں دوڑے دوڑے گئے اور بہت منت سماجت کے بعد اسے لے کر آئے۔ لیکن نرگس نے ایسی کوئی بات نہ کی بلکہ دور نظریں جما کر آہستگی سے کہا۔

"جیت نہ ہار۔ مقابلہ برابر کا اور مقابلے کی ایسی کوئی بات بھی نہ تھی۔ میں نے ہی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ خیر شکر ہے میں راستے سے بھٹکی نہیں۔"

"ہوا کیا۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ وہ کہانی بغیر انجام کے کب سے تمہاری منتظر ہے۔"

"ہوا تو کچھ نہیں اور میں کوئی لوٹ کر تو نہیں گئی تھی۔ اپنے ہی خالہ کے گھر چلی گئی۔ وہاں کے حالات بھی اپنی بہو کے لیے ایسی ہی ساس بن گئی ہیں یا یوں کہو ان کی بہو بھی میری طرح ہے۔ میں نے وہاں عجیب قسم کی کشمکش دیکھی۔ خالہ کی بیٹی تو ماں کی حمایتی اور ان کا بیٹا بھائی کی۔ مستقل بھائی کی چاپلوسی کرتا رہتا۔ ساس بہو میں کوئی چپقلش نہیں ہوتی۔ بہت ہی الجھن والا ماحول تھا۔ خالہ کا بیٹا بیوی کی شکایتیں ماں سے اور ماں کی بیوی سے سنتا۔ اس کان سنتا اس کان سے اڑا دیتا۔ کسی کو ناراض کرنا نہ خوش۔ اس نے اپنی دلچسپیاں گھر سے باہر تلاش کر لیں۔ رات کو بہت دیر سے آتا۔ بیوی کے شکوے پر اسے جھڑکتا۔

اور پھر ایک دن سنا کہ اس نے کسی کم ذات چھوکری سے بیاہ کر کے الگ گھر لے لیا۔ اس دن ساس بہو گلے مل کر اس طرح روئیں جیسے اس کے مرنے کی خبر آئی ہو۔"

نرگس کے چہرے پر ملال کی پرچھائیاں سایہ کیے ہوئے تھیں۔ اس کے چند ہفتے پہلے کے مسرور

نرگس نے تاریکی کی چادر ڈال دی۔ امامہ سانس لینا بھی بھی سنتی رہی۔

کے چپ بیٹھی سنتی رہی۔

تھی اسی دن واپس آئی جب گھر پہنچی تو اماں جان خوش ہو گئیں مجھے گلے لگا کر خوب پیار کیا۔ مسرور ہوئے۔ ان لوگوں نے مجھ سے کچھ نہیں کیا بلکہ میرے آجانے پر جیسے سب خوش ہو گئے۔ سچ امامہ! لگتا تھا میرا گھر جنت کا ایک ٹکڑا ہے جہاں کسی کو کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔ اماں جس طرح میرے میاں کی ماں ہیں اسی طرح میں سکندر کی ماں ہوں۔ یہ احساس اس وقت بے حد ہوا جب میں خالہ کے گھر سے واپس آکر بیٹے کو دیکھا۔ اسے چھوا گلے لگایا اور پیار کیا۔ میں نے سوچا۔ اماں جان بھی اپنے بیٹے کو پیار کرنے کے لیے بے قرار ہوتی ہوں گی۔ میری روح بھی بیٹے کے لمس سے سرشار ہو جاتی ہو گی۔ امامہ! نجانے یہ رشتے اتنے گہرے اس قدر مضبوط کیوں ہوتے ہیں۔"

"ہوتے ہیں۔"

اس دن انصار آیا تو نانی اماں سے شکایت کی۔

"اس گھر میں ڈاکیہ نہیں آتا۔ شاید اسے یہاں کا معلوم نہیں۔ بتا دینا چاہیے۔ کیا پتا مجھ بندی کو کوئی خط آیا ہو مگر مجھے کیسے ملے جب ڈاکیہ ہی نہ آتا ہو۔"

"دراصل ڈاک دفتر کے بیٹے ہی ہے۔" انصار ان کو سمجھانے لگا۔ "مگر خالہ کی گھر پر خط لکھتا ہے ڈاکیہ ہی اسے لاتا ہو۔"

"پھر میرا خط کیوں نہیں لاتا وہ؟"

نانی اماں بچوں کی طرح ضد کر رہی تھیں۔ اس دن کے بعد سے روز انہیں خط کا انتظار رہنے لگا اور وہ کہتی رہتیں کہ بس ڈاکیے کو ان ہی سے ضد ہے۔ ان کا خط نہیں لاتا وہ۔ امامہ کی امی انہیں سمجھاتی تھیں کہ جب بھی کوئی آپ کو خط بھیجے گا۔ وہ آپ کو فوراً ملے گا۔ نانی اماں دن میں کئی بار ہر ایک سے پوچھتیں۔

"ارے بھئی ڈاکیہ آیا کس کا خط لایا؟"

امامہ سے نہ رہا گیا۔ اس نے پوچھ ہی لیا۔ "نانی اماں! کس کے خط کا انتظار ہے آپ کو؟"

انہوں نے پہلے تو اسے عینک کے اوپر سے گھورا اور کہا۔ "اور کس کا ہو گا۔ اپنے بیٹے کے خط کا انتظار ہے۔"

امامہ نے کہا۔ "ماموں کا خط ابھی پچھلے ہفتے امی کے نام آیا تھا۔"

"آیا تھا۔ اچھا تیری ماں نے مجھے خبر تک نہ دی۔ کیا لکھا تھا؟"

"بس خیر و عافیت۔ مجھے ٹھیک سے پتا نہیں۔"

امامہ چلنے لگی تو نانی اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"ذرا رک تو بیٹی! میری بات سن۔ وہ جو نرگس کی کہانی تو نے لکھی تھی پھر اس کا انجام کیا ہوا؟"

"وہی جو حقیقت میں ہوا۔ نرگس کی بلا شرط واپسی اور نانی اماں! میں نے ابو سے بھی اس بارے میں بات کی۔ وہ بھی کہتے تھے اس کا منطقی انجام یہی ہونا چاہیے تھا۔ ضد کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور ٹریجڈی تو مجھے یوں بھی زیادہ پسند نہیں۔ جس دن میں نے بشیران کی کہانی لکھی تھی اور انصار نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ اس کے بعد میں نے ٹریجڈی لکھنا بند کر دیا ہے۔ شاید دوسرے لوگ بھی پڑھ کر اسی طرح مذاق اڑاتے ہوں۔"

اچانک نانی اماں نے واپسی کی تیاری کر لی۔ امامہ اس کے ابو امی برابر روکتے رہے کہ ابھی وہ کچھ دن اور رہیں۔ امامہ کی شادی تک رک جائیں مگر ان کو بہت جلدی ہو رہی تھی۔

"بس بھیا! بہت رہ لی۔ امامہ کی شادی پر پھر آؤں گی۔ اب تو میرا گھر میرا گھونسلا مجھے بلا رہا ہے۔ مجھے بیٹا، بہو اور پوتے پوتی یاد آ رہے ہیں۔"

اس دن شام کو انصار آیا تو اس کے ساتھ زبیدہ بھی تھی۔ وہ امامہ سے ملنے آئی تھی۔ بے حد کمزور ہو رہی تھی۔ لیکن ہاسپٹل میں امامہ نے اسے جس حالت میں دیکھا تھا۔ اس کی نسبت کافی بہتر لگی۔ نانی اماں

اسے بڑی تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ بعد میں انصار سے بولیں۔

"لو تم تو اپنے ساتھ دم چھلا لگا لائے۔ میں نے سوچا تھا، آج تم کو رات کے لیے روک لوں گی۔ کتنے دن سے میرے سر میں تیل کی مالش نہیں ہوئی۔ اب کل مجھے جانا ہے۔ مسندی لگاؤں۔"

"میں رات کو آجاؤں گا۔" انصار نے جلدی سے کہا۔ "مگر مالش ایک شرط پر ہوگی کہ آپ بالوں میں مسندی نہیں لگائیں گی۔ نہ آج نہ کبھی۔"

"اب میں تم سے یہ کہہ دوں کہ اچھا نہیں لگاؤں گی تو یہاں سے جا کر لگا لوں تو تم کو کیا پتا چلے گا؟"

"مجھے تو نہیں آپ کو تو معلوم ہوگا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی ہے۔ خدا کو پسند نہیں۔"

نانی اماں ہنسنے لگیں۔ "یہ خدا کو یوں درمیان میں لے آئے تم؟" انہوں نے کہا۔

"خدا تو ہر وقت ہمارے درمیان رہتا ہے۔" انصار نے فوراً کہا۔ نانی اماں اپنے سفید بالوں کی شان اور بزرگی کی وجہ سے ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ میں کب سے کہہ رہا ہوں۔ آپ میرے مشورے پر عمل کریں تو اب تک بہت سے بال، سفید بڑھاپے کے ہالے میں نورانی چہرہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا جس دن اس گھر میں آیا تھا۔ بڑی اماں کا نورانی پیکر۔ امامہ کی دادی بچپن میں بڑی اماں کہتا تھا۔ اس دن سے آخری لمحے تک ان کے خوب صورت پاکیزہ وجود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہی چمک دار روپہلی بال، جن سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ وہی خوب صورت سیاہ آنکھیں جو ممتا کے نور سے جگمگایا کرتیں۔ ان کے سفید لباس میں اس قدر وقار تھا کہ نظر بھر کر دیکھا نہیں جاتا تھا۔ وہ جو وعدہ کرتی تھیں۔ پھر اسے ہمیشہ یاد رکھتی تھیں، میری تو کوئی بات انہوں نے نہیں ٹالی۔ ایک آپ ہیں جو کسی مشورے پر عمل نہیں کرتیں۔"

"تمہاری تقریر بند ہو تو میں کچھ بولوں۔"

نانی اماں کو کسی سے مقابلہ کرنا پسند نہ تھا اور دوسروں کی تعریف بھی سننا ان کے لیے مشکل ترین لمحہ ہوتا تھا۔

"دیکھو جی! امامہ کی دادی سے تو میرا مقابلہ کرو نہیں۔ وہ عین جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ ان کی زندگی تو بیٹے کے لیے وقف ہو گئی اور انہوں نے دنیا کا آرام و عیش تج دیا تھا۔ نہ کبھی سنگھار کیا۔ نہ مزے کر دنیا کو دیکھا۔ ان کا دل ہی مر گیا تھا۔ میں یہ کیسے کر سکتی ہوں ہر انسان کا دل مختلف قسم کا ہوتا ہے۔"

"سچ ہے۔" انصار نے چپکے سے کہا۔ "ان کے جیسا دل اب شاید اور نہ ہو۔"

نانی اماں نے انصار کے جانے کے بعد چپکے سے امامہ سے کہا۔ "اس لڑکی زبیدہ سے ہوشیار رہنا۔ بڑی مسکین لگتی ہے، مگر اس کی آنکھیں بہت تیز ہیں اور انصار کو اس کے گھر جانے سے منع کرو۔ میں نے اسے اچھے نہ سے میں نے ترپا چلتر بہت دیکھے ہیں، یہ بھی۔"

امامہ دل ہی دل میں ہنسی۔ "لو نانی اماں کے خدشے۔ وہ بے چاری کمزور، بیمار اور انصار کو اس سے اس لیے ہمدردی ہے۔ وہ نہیں کیا سوچ بیٹھی ہیں۔"

نانی اس کے دل کی بات جانے کس طرح جان گئیں۔ کہنے لگیں۔ "کبھی کسی عورت کو کمزور نہ سمجھنا۔ یہ بہت مضبوط مخلوق ہے۔ اس کے پاس جو طاقت ہے وہ تمہارے ہاں نظر نہیں آتی مجھے۔"

"میں بھی کمزور نہیں ہوں نانی اماں۔" امامہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

انصار نے نانی اماں کو بہت اصرار سے روک لیا۔ اب وہ ایک ہفتے بعد جانے کے لیے رضامند ہو گئیں لیکن ان کا دل اکھڑ چکا تھا۔ انصار کے چلے اور امامہ کی کہانیاں بھی انہیں مستقل رہ جانے پر مجبور نہ کر سکیں۔ "میں اب گھر جاؤں گی۔" کا وظیفہ کرتی رہتی تھیں پھر اچانک ایک روز امامہ کے ماموں ممانی آ گئے۔ ان کے بچے دوڑ کر نانی اماں سے لپٹ گئے۔

UrduPhoto.com

"دادی اماں! ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"
نانی اماں کا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا۔ خوشی کے مارے ان سے بولا نہ جا سکا۔ مسرتوں نے ان کے جسم کو بلکا پھلکا کر دیا۔ اور وہ بے اندازہ خوشی کو پہنا نہ سکیں۔ بار بار ہنسی ان کے ہونٹوں سے پھوٹ کر قہقہہ کی آواز میں باہر آ گئی۔ وہ بچے کو اپنی کمزور بانہوں میں بھر کر کتنی دیر چپ بھی رہیں۔ جب بہو نے قریب آ کر کہا۔
"اماں جان! ہم آپ کو لینے کے لیے آئے ہیں۔ اب جلدی سے تیاری کر لیں۔" تو انہوں نے بہو کو بھی کھینچ کے گلے لگا لیا۔
"آپ کی بہو نے آپ کے لیے دوسرا بڑا سا کمرہ بنوایا ہے۔ اس کے ساتھ باتھ روم بھی ہے اور اسٹور بھی۔ آپ کو شکایت ہوتی تھی نا کہ کمرہ تنگ ہے اور باتھ روم دور ہے۔ اب آپ کے کمرے کے برابر میں بچوں کا کمرہ ہے۔ تاکہ آپ کو تنہائی نہ رہے۔"
نانی اماں بول رہا تھا اور نانی اماں کو لگ رہا تھا کوئی انہیں ہواؤں میں لیے پرواز کر رہا ہے۔ وہ امرت کی پھواروں میں نہا گئی ہیں۔
"اتنے دن ہی لگے ورنہ ہم تو بہت پہلے آپ کو لے جاتے۔ پھر میں نے سوچا۔ اچھا ہے آپ کی تبدیلی آب و ہوا ہو جائے۔ صحت پر اچھا اثر ہوتا ہے۔" ہر طرف بہاروں کے پھول کھل گئے۔
"ہم آپ کے آنے کے بعد بہت اداس رہے۔" بہو کہہ رہی تھی۔ "بچوں نے تو ناک میں دم کر دیا۔ دادی کو بلائیں دادی کو بلائیں۔ مگر میں نے کہا۔ پہلے ہم آپ کے آرام کے لائق ایک کمرہ بنوا لیں۔ تاکہ آپ آئیں تو سابقہ ساری شکایتیں رفع ہو جائیں۔ آپ کی خدمت کے لیے ایک عورت بھی رکھ لی ہے۔"
بہو بہت انکسار سے باتیں کر رہی تھی۔ نانی اماں سے خوشیاں سنبھالے نہیں سنبھلتی تھیں۔ انصار آیا تو انہوں نے سب کا تعارف کرایا۔
"میرے بچے مجھے لینے آئے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر فخر سے کہا۔

"دیکھا بڑی اماں! میں نے آپ کو روک لیا تھا۔ ورنہ آپ تو جا رہی تھیں۔ اب زیادہ اچھا لگ رہا ہے نا جب بے بلائے آپ وہاں جاتیں۔" اس نے پیچھے سے ان کے کان میں کہا۔
"سچ کہا۔ اب بہو خوشی اور غرور ہو رہا ہے نا۔ وہ تو کبھی مجھے اس بیٹے سے نہیں ملا۔ آج محسوس ہو رہا ہے۔ میں بھی کوئی اہمیت رکھتی ہوں۔"
"اور یہ بھی تو نہیں کہ ہمیشہ اپنی قائم کی ہوئی رائے ہی درست نہیں ہوتی۔ ہر فیصلے میں ترمیم کی گنجائش ہونی چاہیے۔ جس بیٹے اور بہو سے ناراض اور مایوس ہو کر آپ آئی تھیں وہ آپ کے قدردان نکلے۔"
"ہاں اب میں ہر ایک کو برے نظریے سے نہیں دیکھا کروں گی۔ میرا بیٹا تو ہیرا نکلا اور بہو ہیرے کی کنی۔ میں نے تو جانا بھی نہیں تھا کہ یہ کبھی مجھے لینے آئیں گے۔"
جانے سے پہلے نانی اماں نے امامہ سے چپکے سے کہا۔ "اب میرے اوپر نئی کہانی لکھ۔ نرگس والی تو ہو گئی۔ اب اور ہاں تم میری دعا کرنا۔ اس نے مجھے ایک راستہ دکھایا ہے۔ میں پر وقار طریقے سے مجھے عزت و وقار کا دوسرا دروازہ بھی مل گیا۔ کبھی بند دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔"
سب کے جانے کے بعد امامہ کے ابا نے انصار کو گلے سے لگا لیا اور کہا۔ "شاباش۔ جو کام مجھ سے نہ ہو سکا۔ وہ تم نے کر دکھایا۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔"
امی نے امامہ کے پوچھنے پر بتایا کہ انصار نے فون پر کس کے بھائی کے ذہن میں اماں کو واپس بلانے کا، ان کی عزت و تکریم کا جذبہ بیدار کیا۔ یہ کہہ کر کہ چند روزہ زندگی کے لیے ان کی ناراضی مول لینے کا مطلب ہے، دوزخ میں مقام بنانا۔ بیٹوں کے ہوتے ہوئے کوئی ماں بیٹی کے گھر رہے تو یہ بات معاشرے میں بہت نامناسب سمجھی جاتی ہے۔ بیٹوں اور ان کی ماں کی عزت جب ہی ہوتی ہے جب وہ ساتھ رہیں۔
امامہ یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ تھی کہ انصار کے فون سے ماموں، ممانی کے جذبے بیدار ہو گئے تھے

ان کی محبت ہو سو گئی تھی اچانک فون کرنے سے ہی ہاں کی تھی۔ وہ انصار کے پیچھے پڑ گئی۔
"مجھے سچ سچ بتاؤ۔ تم نے کون سا منتر پھونکا ہے کہ ہوں دوڑے چلے آئے۔ ماموں تو خیر ان کے بیٹے تھے۔ ممانی کس طرح اس قدر فراخ دل اور خوش مزاج ہو گئیں۔ چھ مہینے میں پہلے کبھی ان کو یاد نہ آئی۔ اب اچانک انہیں لینے آ گئیں۔"
"بھئی، وہ ان کے لیے کمرہ اور باتھ روم بنوا رہی تھیں نا۔ اس میں دیر ہو گئی۔" انصار منمنایا۔ مگر امامہ نے جرح کر کے اسے زچ کر دیا۔
"تو ان کو بھی بہو نے بھیجا ہو گا نا۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں؟"
پس منظر سے واقف نہیں تھی۔ یہ تو اب معلوم ہوا کہ جناب کے فون سے ان کے سوئے ہوئے سارے جذبے بیدار ہو گئے۔ ہاں، ہاں اب کوئی جھوٹ گھڑو مگر میں بات کی تہہ میں جائے بغیر نہیں یہاں سے ہلنے بھی نہیں دوں گی۔ تم جانتے ہو
"افوہ!" انصار نے تنگ آ کر کہا۔ "میں نے تو بس ممانی سے اتنا کہا تھا کہ بڑی اماں خیریت سے ہیں۔ البتہ انہیں اپنے صندو قچے کی بہت فکر رہتی ہے۔ اس کی نگرانی کے سلسلے میں وہ رات کو بھی جاگتی رہتی ہیں اور دن بھر اسے نظر کے سامنے رکھتی ہیں۔ یہ باتیں تسلسل سے نہیں ان کے سوالات کے جواب میں ہماری ہاں میں ہاں ملانے سے اور کیا غلط کہا تھا؟"
"مگر کون سا صندوقچہ؟" امامہ آنکھیں پٹ پٹا کر پوچھتے ہوئے بولی۔
"افوہ! تم کو اس کی خبر ہی نہیں۔ بھئی وہی جس میں ان کی مسعدی، چورن، ناخن تراش اور دھاگے وغیرہ رہتے تھے۔ انہیں اس کی کتنی فکر رہتی تھی۔"
"میں نے تو نہیں دیکھا۔"
"تم ان کے پاس بیٹھتی ہی کب تھیں۔ بس ذرا دیر کو وہ بھی اپنی کہانی قصوں کے سلسلے میں۔ تم نے ان کی فکروں کی طرف دھیان دیا ہوتا تو پتا چلتا۔"
امامہ گھنٹوں غور کرتی رہی۔ یہ چند جملے جو انصار نے ان سے کہے اس میں وہ کون سا اسم اعظم تھا کہ ممانی بڑے چاؤ سے نانی اماں کو ساتھ لے گئیں۔ وہ نہیں جان سکی مگر اس کی امی سمجھ گئیں۔ انصار نے ہوشیاری سے انہیں بتا دیا تھا کہ صندوقچے کی فکر میں وہ رات دن پریشان رہتی ہیں اور انسان کسی قیمتی متاع کی حفاظت کے لیے ہی پریشان ہوتا ہے۔ تو یہ تھا بیٹے اور بہو کی محبت کے اچانک بیدار ہونے کا سبب۔ انہوں نے چپکے سے اپنے میاں کو انصار کی اس پوشیدہ چال سے آگاہ کیا۔ پہلے تو وہ بے ساختہ ہنس دیے۔ انہیں انصار کی چالاکی پر ہنسی آئی۔ پھر وہ اداس ہو گئے اور غم انگیز لہجے میں بولے۔
"شکر ہے مولا تیرا۔ ہمیں ایسا لالچی بیٹا تو نے نہیں دیا۔ ہماری ایک ہی بیٹی ہے، جو اس گھر اور کاروبار کی تنہا وارث ہے۔ مگر کیا سچ مچ انسان اب اتنا پسماندہ ہو گیا ہے۔ ذہنی کمتری اور زلالت کی حد تک محبتیں، مروتیں رشتوں کا پاس اور بزرگوں کا لحاظ صرف دولت کے حصول تک ہی رہ گیا ہے؟"
"میں ڈر رہی ہوں کہ کہیں کسی دن یہ راز کھل گیا

♥ ♡ ♥

امامہ سو کر اٹھی تو اسے آسمان پر گہرے بادلوں کے جھنڈ نظر آئے۔ ہوا بھی چل رہی تھی۔ موسم بھی بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ سستی اور بیزاری دور ہو گئی۔ کئی دن سے شدید گرمی پڑ رہی تھی اور وہ بہت چڑچڑی ہو گئی تھی۔ ایک تو انصار کئی دنوں سے نہیں آیا تھا۔ ابا بھی دورے پر گئے ہوئے تھے۔ ادھر بشیراں بھی دو دن سے کہیں گئی ہوئی تھی۔ گرمی میں اسے گھر کی صفائی بھی کرنا پڑتی تھی اور امی کی دلجوئی بھی، جو اپنی ماں کی بیماری کا سن کر بہت پریشان اور ہراساں ہو رہی تھیں۔ ابا کے آنے پر ان کا نانی اماں کے پاس جانے کا پروگرام تھا۔ امامہ سوچتی ہوئی برآمدے میں آ کر بیٹھی اور گھٹاؤں کے لشکر کو بغور دیکھنے لگی۔ جو ایک کے اوپر ایک امڈے چلے آ رہے تھے۔ اچانک سروٹ کوارٹر

Urdufhoto.com

سے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے امامہ نے غور نہیں کیا پھر امی بھی کمرے سے باہر آگئیں اور شکور کو پکارا اور سرونٹ کوارٹر کی طرف جا کر حالات معلوم کرنے کی تاکید کر کے امامہ کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"معلوم نہیں یہ تو بشیراں کی آواز ہے یا تو مالی نے خوب مارا پیٹا ہے یا پھر۔"

"ہے چارا مالی مر نہ گیا ہو۔ اس طرح تو بشیراں کبھی نہ روتی۔" امامہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

شکور کے ساتھ ہی سیدھ کولی کرتی ہوئی بشیراں بھی ہمکتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے بھوں بھوں رونے پر شکور کی ہنسی نکل رہی تھی۔ وہ مڑ مڑ کر بشیراں کو دیکھتا اور ہنستا ہوا آ رہا تھا۔ بشیراں چند قدم پیچھے تھی۔ امی نے شکور سے کہا۔

"تیرے دانت کیوں نکل رہے ہیں۔ ہوا کیا ہے؟"

"بی بی جی مجھے تو لگتا ہے کہ مالی خیریت ہے۔"

"بچوں کی طرح رو رہی ہے۔ بھوں بھوں ہنسی تو آتی ہے تجھے۔ بتا بھی ہے جیسے سب کو چڑا رہی ہو۔ مجھ سے تو ایسی شکل بھی نہ بنے۔" شکور اس کا مسخرا پن بھانپ گیا۔

بشیراں نزدیک آ گئی۔ دوپٹے کے پلو سے ایک آنکھ چھپائے دوسرے ہاتھ سے سینہ کوبی کرتی ہوئی آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا اور شدت کرب سے حلق سے چیخوں سے ملتی جلتی آوازیں خارج ہو رہی تھیں۔

"میں لٹ گئی۔ میں برباد ہو گئی نیم صاحب!" امی کے قدموں میں چوکڑا مار کر وہ جھوم جھوم کر بین کرنے لگی۔

"ارے تو ہوا کیا؟ بتا تو سہی۔"

"جی نیم صاحب میں لٹ گئی۔ میرا کچھ نہ بچا۔ وہ دیا چھوکری ہو گئی؟" امامہ نے بے حد سراسیمگی سے پوچھا۔ بشیراں نے انکار میں گردن ہلائی اور منہ کھول کر ہی ہی کی شکل بنائی۔ شاید وہ رونے پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی۔

"ہائے میرا لال' میرا لال مری رے۔" اب بشیراں زمین پر لوٹ لگا رہی تھی۔

امی نے شکور سے کہا۔ "جا جلدی سے پانی لا۔" پھر بشیراں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بشیراں! ذرا چپ ہو۔ بتا تو ہوا کیا ہے؟" بشیراں سینہ پکڑے مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

"کہیں چوٹ لگی ہے کیا؟" امامہ نے پھر گھبرا کر پوچھا۔ بشیراں نے اثبات میں گردن ہلا لی۔

"کولی بچی ہے میرے' مار ڈالا رے ناس پیٹے میرا بیڑہ غرق ہو تو نے میرا کچھ نہ چھوڑا [illegible] تیری جڑوا' تیرا سارا کنبہ مرے۔ تیرے ہوتے ہوئے۔"

بشیراں ایک سانس میں جانے کس کو کوسے جا رہی تھی۔ شکور پانی لے آیا۔ امی نے اپنے ہاتھ سے اس کے منہ سے گلاس لگایا۔ ایک سانس میں پورا گلاس چڑھا کر بشیراں نے بلوے آنکھیں پونچھیں' منہ صاف کیا۔

"[illegible]" وہ دونوں ہاتھ مل مل کر بین کر رہی تھی۔ امامہ نے جھنجھوڑ ڈالا۔

"بشیراں! کچھ تو بتاؤ نا؟"

"کیا بتاؤں رے۔ اب رہا کیا بتانے کو۔ لوں کھوے تھا۔ گاؤں جاؤں ہوں بھینس خرید کر لاؤں گا۔ لا پیسے دے۔ اصلی دودھ [illegible] جاوے کی خوب میں کمبخت نہ جانی۔ سارے پیسے سامنے لا دھرے' بولا۔ اے تو کتی ہووے گے میں بولی۔ چل میرے کانٹے لے لے۔ کانن سے اتار دیے' کانٹے اصلی سونے کے ارے رے رے۔ میں تو لٹ گئی رے۔" بشیراں نے پھر سے ہاتھ مل مل کر چھوڑنا شروع کر دیا۔

"پھر بھینس نہ آئی کیا؟ جوئے میں ہار گیا سب پیسے وہ؟ ارے بتا تو ہوا کیا۔" امی بھی اب اس معمے کو جلد سے جلد حل کرنا چاہتی تھیں۔

"ہاں' آئی بھینس کالی سی۔ جرا سکورے پوچھ

"نہ دن کو دن جانا' رات کو رات نہ سمجھی۔ کھدمت میں گجر جاتی رات اور بھوک کے تو کھانے کو ملتے صبح صبح لات اور گھونسے۔ اے بدھاس پھکیرے تیری موٹی بھینس مر جائے۔ تیری ماں کی کھٹیا نکلے' جیسا میرے پہ جلم توڑا اس کی بنی کے آگے آئے۔ ارے میری جندگی بھر کی کمائی لٹ گئی رے۔ میرے اصلی سونے کے کانٹے۔ کانن سے اتار کر دے ڈالے۔ اس کا بھی خیال نہ کیا' اس نے بھینس کو چرھا دیے۔ نیم صاب! اس اتنی مہانی اس موٹی کے کانن سے اتروا دیو۔ بوہی مل جائے۔ کلیجے میں کچھ تو ٹھنڈک ہو۔ کہے تھا بسیراں تو بے کار ہو گئی۔ جب میں بیاہ کر آئی تھی نیم صاب! ایسا رنگ و روپ جیسے امامہ بی بی۔ ارے اس پھکیرے نے مجھے بھکیرن بنا دیا' رے اب لایا ہے بھینس۔ رات کو دیکھے گا تو ڈر جائے گا۔ چڑیل کی طریوں کالی' بھینس کی طریوں موٹی۔ بلا جاوے نا۔ پہاڑ کی طریوں۔"

شام تک بشیراں روتی چلاتی رہی پھر اس کی سوکن آئی۔ سیاہ فام لمبی چوڑی۔ لال رنگ کا جوڑا پہنے ناک میں لال نگ کی کیل۔ کانوں میں بشیراں کے بندے۔ دھم دھم کرتی آئی۔ امی کو ادب سے سلام کیا۔

"میں آپ کی نئی مالن ہوں جی۔ جو حکم کریں گی۔ میں وہ سارا کام کر دوں گی۔ بے شک پیسہ نہ دینا ایک۔"

اسے دیکھتے ہی بشیراں نے پھر سے واویلا شروع کر دیا۔ اس نے بشیراں سے کہا۔

"چل بھین! گھر چلیں روٹی کھالے۔" بشیراں نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے پھر کہا۔

"دیکھ' کوئی فائدہ نہیں لڑنے کا' گھر چھوڑ کر کوئی عورت سکھ نہیں پاتی۔ میں بھی عورت ہوں۔ ہم ایک دوسرے کا دکھ بانٹ لیں گے۔ تو اکیلی نہیں ہے آچل' دنیا مرد کی ہے۔ اسے کرنے دے جو وہ کرتا ہے۔ ہم بھی وہیں۔ مل کر گجارا کر لیں گے۔ ایک ایک روٹی کھا کر بھی دن گجر جائیں گے۔ ایک ملی تو

UrduPhoto.com

تو بھی تو ہی بانٹ لیں گے۔ میں تیری دشمن نہ ہوں۔ بس تیرے میاں کو آل اولاد کا سوگ ہے جو تو نے نہ دی۔ وہ میں دوں گی۔ تو پال رکھیو۔ میں تیری کھ مت کروں گی۔ مجھے بھین بنا لے۔"

بہت سمجھ دار عورت تھی۔ امی کو اس کی باتیں پسند آئیں۔ وہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگیں۔ بشیران نے اپنی رقم اور سونے کے بندوں کا ماتم کیا تو اس نے چھوٹے چھوٹے کھڑے کانوں سے بندے اتار کر بشیران کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔

"لے اپنے کانٹے۔ مجھے پتا چل گیا تھا' یہ تیری امانت تھی۔ پر تو تم میں نہ دے سکتی تجھے۔ وہ اس نے مرتے میرے ابا کو دے دی۔ چل اٹھ اب۔"

اس نے اپنا بھاری مگدر جیسا ہاتھ بڑھایا اور بشیران کا سوکھا بازو تھام لیا۔ بشیران نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور چلا کر بولی۔

"ارے رانڈ مجھے کہاں سلاوے گی۔ ایک ہی تو کمرہ ہے اور تیری وہ سوت جو ہے ساس کہوے ہے تجے رانڈ رہے مجھے ادھر میں یہاں پڑ جاؤں گی ورانڈے میں۔"

"ہمارے گھر کے بھیتر بھی دو کمرے ہیں۔" مولی نے رسان سے کہا۔ "تمہیں وہاں ساس کے سنگ رہنوں ہے۔ تم آگرہ تیا ہو گے۔ چل اب۔"

اس نے پھر اپنا مگدر سا ہاتھ بڑھایا اور بشیران کو آسانی سے کھینچ کر اٹھا لیا۔ بشیران بھی اپنا کمرہ ملنے کی امید پر آسانی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل دی۔ امامہ کتنی دیر تک گم صم بیٹھی سوچتی رہی۔ اسے ضرورتی ہی ہو رہی تھی۔ جیسے یہ واردات بشیران پر نہیں خود امامہ پر گزری ہو۔

بشیران نے کتنے آنسو بہائے اور کس طرح سینے پر دو ہتڑ مارے تھے۔ زمین پر لوٹ لگائی اور چلا چلا کر حلق تھکا لیا تھا مگر اس کی سوکن نے محبت و مروت کا مظاہرہ کیا کہ بشیران کا مار اور دکھ ہی بانٹ لیا۔ یہ رہیں گی یہ ساتھ ساتھ۔ کیا وہ بیٹھ اس سے بہن جیسا سلوک کرے گی اور مالی ان میں انصاف کیسے کر پائے گا؟

سوچ سوچ کر اس کا ذہن تھک گیا۔ رات کو اس سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ امی تو نارمل ہو گئی تھیں مگر امامہ کے ذہن میں بشیران کے آنسو اور چیخیں۔ اس کا غم طوفان بن کر ہلچل مچا رہا تھا۔ وہ بہت بے چین رہی۔ رات کو ٹھیک سے نیند نہ آئی۔ اس سے کچھ لکھا بھی نہیں گیا۔ صبح حسب معمول بشیران کام پر آئی۔ آج کی بات یہ تھی کہ وہ ہنستی ہوئی کپڑے بھجانی آئی۔ چاندی کے کڑے اس کے میاں نے دوسری شادی کے دکھ کی تلافی کے طور پر بنا دیے تھے۔ مولی کے مطابق اس نے بشیران کو اٹھائی بھی نہیں کی اور رات کو خوشامد بھی کرتا رہا۔ صاحب سے اس کی شکایت نہ کرے۔

مولی بیوی ورانڈے میں پانس کی کھاٹ پر سنا رہی تھی جب بشیران کام پر آ گئی۔ اب وہی اٹھ کر رونی ساس اور میاں کو دے گی۔ مالی نے بشیران کو گھر خدا [illegible] بشیران کے آرام اور عیش کرنے کے دن آ گئے۔ بشیران امامہ کو ہنس ہنس کر بتا رہی تھی۔

امامہ کو غصہ آنے لگا۔ "بے غیرت وہیٹ عورت! بیل تو مارے فکر کے رات بھر میں آدھی رہ گئی۔ اس کو ہنسی کی سوجھ رہی ہے۔" کپڑے کے ڈانٹنے پر دانت بند کرنے کے حکم پر وہ روہانسی ہو گئی۔

"بی بی! یہ تھا حد بیوی کا رستہ بڑا بے سرم ہووے ہے۔ ہمارے کہ گاڑے۔ ہم تو مجبور ہووے ہیں۔ میرے تو ماں باپ بھی ناہیں کہ انہیں کے دھورے جا پڑوں کہ بے وفا خصم نے چھٹکارا ملے۔ آل اولاد میرے ناہیں۔ بھائی بھاوج ایک وخت کے بعد دوسری روٹی دینے کے نہیں۔ پھر کہاں آسرا ہے' یو سرمندہ ہے سو ہے تو رانی ہی رہے گی۔ مولی تو تیرے بعد کی ہے۔ تیری چاکری ہے' پھر سایہ اولاد بھی دے۔ ابھی بھی اس کے موٹے پیٹ میں جنا ور بول رہے ہیں۔ رات بھر ہاتھ پیر پھیلا کر سوئی اور کھرانٹے بھرے ہیں

جیسے بھینس آکراوے۔ میں نہ سوتی اس طریوں۔ چپ کر کے جس کروٹ سووں اسی کروٹ اٹھوں۔ چوں بھی نہ کروں۔ میرا مردوے ہی بتاوے تھا۔ جی۔"

اچانک ساؤنڈ کوارٹر سے چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ امی نے گھبرا کر شکور کو دوڑایا۔ بشیران بھی بھاگ کر چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ شکور نے آکر بتایا کہ جب مالی کو پتا چلا کہ مولی نے سونے کے بندے بشیران کو دے دیے ہیں تو۔ مالی نے اس کی خوب دھنائی کی کہ پوچھے بغیر یہ حاتم طائی کی قبر پر کیوں لات مارنے کی کوشش کی۔ کس مشکل سے تو اس نے بشیران سے [illegible] تھا تو چند روز کے لیے محض خوش کرنے کو پہنائے تھے۔ بشیران ہرگز بندے نہیں دے گی۔ ادھر اس پر جو قرض [illegible] کر کے چڑھا ہے' وہ کیا مولی کا باپ اتارے گا۔

بشیران رخ موڑ کر جھاڑو دینے لگی۔ وہ گنگنا رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔

گردن جھکائے من من کچھ کہہ رہا ہے۔ بعد میں اس نے ابا سے کہا۔

"آپ نے اچھی طرح خبر نہیں لی۔ اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ یہ بشیران پر ظلم ہے۔"

"بٹیا! تم یہ بات نہیں سمجھ سکو گی۔" ابا نے سوچتے ہوئے اسے سمجھایا۔ "دوسری شادی ظلم نہیں مگر بیویوں کے ساتھ انصاف اور مروت کا سلوک ہونا چاہیے۔ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ ہمارے ملک کے کئی علاقے ہیں۔ جہاں دو سے زیادہ شادی کا رواج ہے مگر وہاں سوکنیں بہنوں کی طرح اتفاق سے رہتی ہیں۔"

"ابا! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ دوسری شادی۔ وہ بھی بے گناہ بشیران پر۔ اس کے ساتھ تو ظلم ہوا ہے۔ ظلم آپ نہیں کچھ کریں گے تو میں اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاؤں گی۔ پولیس کو خبر کروں گی فقیریا مالی کے ایک بیوی کے ہوتے دوسری۔"

"بہتر ہے کہ اگر تم ان دونوں کو پیار اور محبت سے رہنے کا سبق دو اور خیال رکھو کہ فقیریا انہیں مار پیٹ کر اپنا آلو سیدھا نہ کرے۔" ابا نے رکھائی سے کہا۔ "ظلم یہ ہے کہ وہ انہیں جسمانی اذیت پہنچاتا ہے اور بس۔"

امامہ ابا کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ جو اس قدر مساوات اور عورتوں کے حقوق کے حامی تھے۔ فقیریا کو صرف مار پیٹ سے باز رہنے کے لیے کہہ کر چپ چاپ چلے گئے۔ انہوں نے اس سے جواب طلبی نہیں کی۔ یہ تو ابا کی سراسر زیادتی تھی۔ شاید مرد ہونے کے ناتے وہ فقیریا کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ابا بھی کسی دن دوسری شادی کر سکتے ہیں۔ امامہ کا سانس رکنے لگا مگر بشیران بہت خوش اور مگن تھی۔ وہ سارا دن امامہ کی امی کے پاس بیٹھی کترنیں جوڑ جوڑ کر چھوٹی چھوٹی فراکیں اور کرتے سیتی اور گنگناتی رہتی۔ اسے گھر میں کوئی کام نہ تھا۔ کھانا پکانا کپڑے دھونا' ساس اور میاں کی خدمت سب مولی کی ذمہ داری تھی جو وہ بخوشی انجام دے رہی تھی۔ مولی اپنے تمام فرائض ادا کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ اب وہ اولاد بھی

UrduPhoto.com

پیدا کرنے والی تھی۔ اسی خوشی میں بشیراں نے اپنا محل سوگن کو بخش دیا۔ وہ خود ساس کے ساتھ ورانڈے میں پڑی رہتی۔ مار پیٹ بالکل بند تھی اور آرام بھی کر رہی تھی۔ اس لیے وہ بھی صحت مند ہو رہی تھی۔ مگر معمولی بھینس کی چربی پگھل رہی تھی۔ اس سے کچھ کھایا نہ جاتا۔ وہ کام کرتے ہوئے ہانپنے لگتی۔ بشیراں اسے دیکھ کر ہنسا کرتی۔

وہ کمرے میں بشیراں کے ساتھ کام کر رہی تھی کہ شکور نے آکر کہا۔

"انصار میاں آئے ہیں۔" بشیراں کو صفائی کی ہدایات دے کر وہ باہر نکلی۔ لاؤنج میں وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔

"آیئے آیئے۔" وہ شگفتہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"بہت زحمت ہوئی آپ کو' زیارت کا فخر بخشا ورنہ شاید آج بھی مجھے واپس جانا پڑتا۔"

"کیا؟ اللہ چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یاد ہے کتنے دنوں بعد جناب کی تشریف آوری ہوئی ہے۔"

"لیجیے بھلا [illegible]" امامہ کی امی نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اس دن [illegible] کتنے کام چھوڑ کر آیا تو پتا چلا کہ کمرہ بند ہے۔ تحقیق کی تو پتا چلا مالی پر غصہ آیا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا نہیں کہ کیوں بھابھی جان سے مل کر چلا گیا۔"

امامہ نے امی کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اقرار میں گردن ہلا دی۔ امی بہت سنجیدہ تھیں۔ ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگے بھیگے تھے اور وہ کسی خیال کو ٹالنے کے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ امامہ، بشیراں اور مالی کی داستان اسے سنا رہی تھی۔ وہ اٹھ کر دوسری طرف چلی گئیں۔ انصار نے ایک لمبا سانس لے کر کہا۔

"فرض کرو۔ تمہارے ساتھ بھی ایسی واردات پیش آئے تب؟ کیا رویہ ہوگا تمہارا؟"

امامہ الجھی ہوئی نظروں سے انصار کو دیکھنے لگی۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا' اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کمر پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگا۔

"دیکھو امامہ!" اس نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔

"میں اور تم' دونوں ہی بہت ہی اوٹ پٹانگ ہیں۔ میں کچھ بونگا سا ہوں۔ تم بے ڈھنگی مگر حساس ہم دونوں ہیں اس کا اعتراف ہے مجھے کہ تمہارے پاس بہت خوب صورت دل ہے۔ جو دوسروں کے غم کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہے۔ لیکن اگر خود تم کو کوئی غم مل جائے۔ تو اسے کس طرح برداشت کرو گی؟ کیسے اس کے ساتھ مفاہمت کرو گی۔ میں نہیں جانتا۔ اب جو میں کہنے والا ہوں۔ وہ غور سے سنو۔ میں کسی بھی لمحے تمہاری دل شکنی یا حق تلفی یا تحقیر کرنے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا۔ ایسا کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ اس بات کو دماغ میں اچھی طرح بٹھا لو کہ حالات مصلحت اور مجبوریاں بہت سے کام ایسے بھی کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں جو عام حالات میں انسان نہیں کرتا۔ مان لو کہ ایک بڑے مقصد کے لیے مثلاً کسی کی جان بچانے یا [illegible] کو خوشیاں دینے کے لیے کوئی قربانی دینا چاہے تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا۔ قربانی دینے والا اپنا نقصان کر لیتا ہے۔ یہ یاد رہے اور یہ بھی کہ میں تمہارے بغیر نامکمل ہوں۔"

"کس قسم کی قربانی؟"

امامہ بے حد خوفزدہ تھی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے تھے۔ انصار کبھی اتنا سنجیدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں امی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ پریشان تھیں یا رنجیدہ۔ شاید انصار نے ان سے کچھ کہا تھا۔

"تم جانتے ہو۔" اس نے پھر کہا۔ "میں کسی حقدار سے اس کا حق چھیننے کے خلاف ہوں۔"

"اور اگر تمہارا کوئی حق کسی خاص عرصے تک کے لیے چھین لیا جائے۔ کسی اور بڑے اور بلند مقصد کے لیے تو؟ مگر ٹھہرو میں تم کو اپنا نظریہ یا ارادہ بتا دوں۔ سامنے بٹھا کر نہیں بیان کر سکتا۔ یہ بھی عجب مجبوری ہے۔ میں بزدل ہوتا جا رہا ہوں۔" اچانک انصار تیزی

UrduPhoto.com

سے باہر چلا گیا۔
اور امامہ نے دیکھا کہ اس نے بہت تیزی سے باہر نکل کر گیٹ عبور کیا اور غائب ہو گیا۔ اس کے چہرے تکلیف کے سے آثار تھے۔ شاید وہ پھر بیمار ہو گیا تھا۔ امامہ گم صم دیر تک بیٹھی رہی۔ کیا کہنا چاہتا ہے وہ۔ وہ سمجھ نہ پائی۔ اسے بہت الجھن ہو رہی تھی۔ میں اصرار کر کے پوچھ ہی لیتی۔ اسے روک ہی لیتی۔ شاید اسی کو کچھ خبر ہو۔ مگر وہ جب بھی ان سے کچھ پوچھنا چاہتی۔ وہ اپنے آپ کو کسی کام میں الجھا لیتیں۔ امامہ کچھ نہ کہہ پاتی۔ وہ ڈر بھی رہی تھی کہ پتا نہیں کون سی قربانی کا ڈر تھا۔

پھر ایک روز اس نے سنا کہ اس کی شادی کی تاریخ ٹھہرانے کے لیے ابا انصار کے پاس گئے ہیں۔ وہ اب جلد سے جلد اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ شاید انصار بہت مصروف تھا۔ کئی دن سے آیا نہیں تھا۔ ابا آئے تو اسی سے باتیں کرنے لگے۔ امامہ کو چھپ کر باتیں سننے سے بہت چڑ تھی۔ وہ جانتی تھی اسے سب کچھ علم ہو جائے گا۔ لیکن دو دن گزر گئے کسی نے اسے کچھ نہ بتایا۔ البتہ ابا کی آواز اس نے سنی تھی۔ وہ ای سے کہہ رہے تھے۔

"رائے قائم کرنے میں اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے۔ وقت کا انتظار کرنے کے بعد فیصلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ تم بھی جاہل عورتوں کی طرح وہمی ہوتی جا رہی ہو۔"

"میں وہمی نہیں۔ وقت کی بے رحمی سے شاکی ہوں۔ ہم نے تو کسی کے ساتھ کبھی کوئی برائی نہیں کی تھی پھر کس جرم کی سزا۔" امی کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"اچھا اب خاموش رہو۔" ابا نے نرمی سے کہا۔ "ہم نے جو بویا تھا وہی کاٹیں گے اور اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ ہم نے کانٹے نہیں بوئے تھے پھر کیا ہے یہ خوف؟"

"میں خوفزدہ نہیں ہوں، مگر اس ظلم کے خلاف رائے دینے کا حق رکھتی ہوں۔"

"انصار ظالم نہیں، رحم دل ہے سلطانہ! اس کے دل کی آواز سنو اسے پہچانو۔ کیا تم کو بشیراں اور امامہ میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ ہم نے اپنی بیٹی کو تعلیم اور تربیت کے تمام زیور پہنائے ہیں۔ کہیں کوئی کمی تو نہیں ہے۔ وہ ہوشمند اور ذہین ہے، حساس ہے۔"

"وہ صرف اور صرف عورت ہے۔ بشیراں کی طرح۔" امی نے زور دے کر کہا اور پھر رونے لگیں۔ وہ کبھی روتی نہیں تھیں۔ امامہ اور بھی خوفزدہ ہو گئی۔ کیسی بات تھی کہ جو اس کے متعلق تھی مگر وہ انجان تھی اسے کوئی کچھ کیوں نہیں بتاتا۔ تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ برسات کے موسم میں آسمان پر بادل کا نام تک نہ تھا۔ صبح انصار آیا تھا اور بہت دیر تک ابو کو لے کر چلا گیا۔ ابا اپنے آفس کے بجائے اس کے ساتھ کہاں گئے تھے۔ یہ اسے کون بتاتا۔ امی تو کمرہ بند کر کے سوئی ہوئی تھیں۔ شکور نے بتایا کہ بیگم صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ انصار میاں کے آتے ہی وہ بیمار سی ہو گئیں۔ صاحب نے انہیں کچھ گولیاں کھانے کو دی تھیں۔ جب سے بیگم صاحب کمرے میں بند ہیں۔ [illegible]

[illegible] بیٹھ گئے، جیسے کہیں دور سے آئے ہوں۔ تھکن ان کے چہرے اور ان کی آنکھوں سے برس رہی تھی۔ شاید اداسی اور مایوسی بھی چھائی ہوئی تھی۔ امامہ صحیح اندازہ نہ کر سکی۔ وہاں سے زیادہ باپ کے بے تکلف تھی۔ اسی لیے ان کی [illegible]

"کہاں گئے تھے آپ؟" امامہ [illegible] سے پوچھا۔ ابا کی آنکھیں امامہ کے وجود پر گڑی تھیں لیکن وہ شاید خالی الذہنی کی کیفیت تھی۔ نظریں ایک بار جو انھیں تو وہاں سے ہٹنا بھول گئیں۔ امامہ نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر انہیں ہلایا تو وہ چونک گئے پھر کچھ سوچ کر انہوں نے امامہ کو پاس والی کرسی پر بٹھا لیا اور پوچھنے لگے۔

"ہم نے تم کو جو تربیت دی۔ تعلیم دی۔ تمہاری تمام ضروریات اور آسائش کا خیال رکھا۔ اس میں

کوئی کمی تو نہیں رہ گئی؟"

امامہ حیرانی سے انہیں دیکھتی رہی۔ ابا اتنے اجلے سے تھے کہ وہ فوری فیصلہ نہ کر پائی کہ ان کے سوال کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ اس نے گردن ہلائی۔

"نہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے کسی محرومی کا شکار نہ ہوں۔ کسی کمی کے احساس میں مبتلا نہ رہیں اور مکمل پیکر خود اعتمادی اور یقین ہوں تاکہ دنیا میں رہ کر ان کے تمام الجھاؤں سے نبٹ سکیں۔ طوفانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ حالات خواہ کچھ بھی ہوں۔ ان کی ذات نمایاں رہے۔"

"ابو! آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ کیا انصار نے آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے؟"

"نہیں ہاں تکلیف مجھے پہنچی ہے لیکن انصار نے ارادتاً کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ اس نے [illegible] کی تربیت کا حق ادا کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے اماں بی کی روح اس کے اس اقدام پر ناخوش نہ ہوں گی۔ میں ایک [illegible] شاید کچھ خود غرض آدمی ہوں کہ اس کے [illegible] کی طرف جا رہا ہے۔ میں اتنا [illegible] ہو گیا ہوں۔"

امامہ کے بار بار پوچھنے پر بمشکل ابا نے بتایا کہ انصار کی کزن زبیدہ جو پچھلے دو ہفتے سے شدید بیمار تھی اور جس پر دورے پڑ رہے تھے، انصار نے اس کے لیے فوری شادی کا علاج تجویز کیا تھا۔ اور انصار نے [illegible] صبح اس سے نکاح کر لیا ہے۔ مجھے اور تمہاری امی کو لینے آیا تھا۔ میں اس کے [illegible] فیصلے پر خوش ہوا۔ کسی کی جان بچانا [illegible] کی کو موت کے منہ سے کھینچ لانا بڑی دانائی اور دلیری کی علامت ہے۔ اس کے اس عمل سے زبیدہ کے ماں باپ کی گردن بچی ہو گئی ہے۔ انہوں نے انصار کو پناہ [illegible] نہ دی تھی۔ جب وہ بے آسرا تھا اور انصار نے [illegible] کی بیٹی کو زندگی دی ہے۔ اپنا وجود عطا کیا ہے۔ اپنا [illegible] ہوا ہے اور وہ مجبور ہیں کہ انصار کے احسان کا بوجھ

اٹھائیں۔ اس حالت میں وہ سزا کوئی قربانی دینے پر رضامند نہیں تھا۔ انصار آگے بڑھا تو وہ کانپ گئے۔ جب نکاح ہو رہا تھا تب بھی وہ کانپ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں اچانک ہی رعشہ پیدا ہو گیا ہے۔"

ابا بولے جا رہے تھے۔ امامہ کی ذہنی کیفیت سے بے خبر یا شاید وہ اسے ایک معمولی فعل ظاہر کر رہے تھے۔ امامہ کے ہاتھ میں بھی رعشہ پیدا ہو گیا تھا۔ ابا کے گھٹنے پر رکھا اس کا ہاتھ کانپ کر پھسل رہا تھا۔ انہوں نے امامہ کو دیکھا اور مضبوط لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔ دنیا تماشہ گاہ ہے یہاں تو ہر قسم کے تماشے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اگر کبھی خود بھی اس تماشے کا کردار بننا پڑے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہاں ہر انسان کسی نہ کسی طور تماشے کا کردار بن جاتا ہے۔ ہم سب الگ تو نہیں ہیں۔ تم نے ناشتہ کیا؟"

امامہ کے سر میں دھمک ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں شعلوں کی تپش سے جل رہی تھیں۔ گردن کی رگیں پھولنے لگیں۔ حلق میں گولے سے اٹکنے لگے۔ اچانک ابا کے سوال پر وہ کچھ بول نہ سکی۔ گردن سے انکار کیا۔ ابا نے اٹھا کر کھانے کی میز پر لے آئے۔ شکور نے ناشتہ لا کر رکھا اور بہت حوصلے کے ساتھ انہوں نے ناشتہ کیا۔

"تم کچھ اثر نہ لینا۔" انہوں نے اسے سمجھایا۔ "جو کچھ ہوتا ہے وہ مشیت کے اشارے پر ہوتا ہے۔ ہم اس کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتے۔ انصار زبیدہ کو لے کر آئے تو اس کی پذیرائی کرنا اور انصار کو مبارک باد دینا۔ وہ یہ نہ سمجھے ہم اس کی نیکی میں حصہ دار بننا نہیں چاہتے۔ اسے بھی دلاسے اور دلجوئی کی ضرورت ہے۔ وہ بہت بکھرا ہوا تھا۔ اسے سمیٹنا ہو گا بیٹی ورنہ میری ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔"

ابا تو اسے بہت کچھ سمجھا رہے تھے، مگر اس کے سر میں اتنا شور بپا تھا کہ وہ ان کی آواز سننے سے محروم ہو گئی۔ دل الگ چیخ چیخ کر طوفان اٹھائے ہوئے تھا۔ اسے لگ رہا تھا سورج کا گولہ تمام کا تمام اس کے وجود میں بھر گیا ہے۔ ٹوٹ گیا ہے۔ اس کی آگ سے وہ جل

UrduPhoto.com

رہی ہے۔ شعلوں میں جھلس رہی ہے۔ چنگاریوں میں گھری ہوئی ہے۔ کوئی اس آگ کو بجھانے نہ آیا۔ کسی نے اسے اس اذیت سے بچانے کی کوشش نہ کی۔ ابا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اس آگ کو بھڑکا رہے تھے۔ ہوا دے رہے تھے۔ جب جلن ناقابل برداشت ہوئی تو اس کے حلق سے چیخ نکلی اور مزید چیخوں کو روکنے کے لیے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا پھر وہ دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ امی نے دروازہ کھول کر اسے دیکھا تھا مگر وہ انہیں نہ دیکھ سکی۔ آنکھوں کے سامنے پردے گرے ہوئے تھے۔ درد کے 'کرب کے' آنسوؤں کے۔ ہر سمت اندھیرا تھا۔ اندھیرا' تاریکی ہی تاریکی۔ شام کو شکور نے آکر کہا۔ "انصار میاں آئے ہیں۔"

وہ دن بھر خود کو بہلاتی سنبھالتی رہی تھی مگر دل چاہتا تھا۔ وہ بھی شیرن کی طرح تکیے پر لوٹ لگائے اور بین کرے۔ میرا تو کچھ نہ بچا رے۔ میں تو لٹ گئی رے۔ مگر انا کے شعور کے ساتھ ہی اسے ہنسی آگئی اور اس درد سے اسے نجات ملی۔ جس نے مایوسی اور اندھیرا پھیلایا تھا۔ اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر کہ آنسوؤں کا نشان بھی باقی نہ رہے کپڑے بدل کر وہ باہر آئی۔

انصار اس کے کمرے میں ہی آگیا تھا اور کھڑکی کے پاس کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔ جب اس نے چہرہ گھمایا تو امامہ نے دیکھا۔ انصار کے چہرے پر خون کی ایک بوند بھی شاید باقی نہ رہی تھی۔ امامہ نے سوچا۔ دنیا تو میری لٹی ہے۔ زندگی تو میری تماشا بنی ہے مگر یہ محرومیاں اور حسرتیں انصار کے چہرے پر کیوں نمایاں ہیں۔

"کیا تم نے زبیدہ کو اپنا سارا خون بھی دے دیا؟" اس نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ انصار نے ایک سانس باہر خارج کیا تھا۔ شاید اسے امامہ سے اس خوش طبعی کی اب امید نہ رہی تھی مگر جب وہ بولی تو اسی پرانے انداز میں۔ وہ اطمینان کا سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"نہیں میں نے خون نہیں دیا۔ وہ خود بخود ہی اس کی طرف منتقل ہو گیا۔ ہمارے گروپ نہیں ملتے۔"

اس کی آواز بھی بہت کمزور تھی اور لہجے میں بھی یاس کا عنصر تھا۔ وہ امامہ کو ہاسپٹل لے جانے کے لیے آیا تھا۔ امامہ جانتی تھی وہ زبیدہ کو مسز انصار کے روپ میں نہیں دیکھ سکے گی۔ کمزور ہو جائے گی۔ اس لیے ہاسپٹل کے گیٹ پر ہی اس نے انصار کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انصار بھی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اسے ایک سہارا سا ملا۔ زبیدہ نے اسے دیکھتے ہی اپنا منہ تکیے میں چھپا لیا۔ وہ خود کو امامہ کی مجرم سمجھ رہی تھی۔ انصار نے اسے سمجھایا۔

"امامہ تمہاری خیریت کے لیے آئی ہے۔ تمہیں مبارکباد دینے آئی ہے۔ زبیدہ! دیکھو وہ اتنی کم ظرف نہیں ہے۔ تمہارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ پھر تم کیوں چھپا رہی ہو۔"

امامہ نے بھی زبیدہ کو سمجھایا۔ اس کے بال برابر کیے، آنسو پونچھے۔ "مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ ہم بہنوں کی طرح رہیں گے۔"

امامہ نے ایک بھرپور نظر انصار پر ڈالی' انصار ہکا بکا سا اسے دیکھنے لگا۔ اس نے امامہ کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں۔ کبھی تم سے لڑوں گی نہیں۔ کچھ مانگوں گی بھی نہیں۔ بس اپنے گھر میں ایک کونہ مجھے دے دینا۔"

زبیدہ کی بڑی بڑی آنکھیں حلقوں میں دھنسی تھیں۔ زبان بھی قابو میں نہ تھی۔ وہ بے انتہا لاغر ہو رہی تھی۔ ہڈیوں کی مالا محض ایک ڈھانچہ۔

"ضرور زبیدہ! میرے دل میں تمہاری جگہ ہوگی۔" اس نے اطمینان دلایا۔ زبیدہ کو کافی خوشی ہو رہی تھی۔ اس کے اوپر سے بوجھ ہٹ گیا اور اب وہ بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی۔ باہر نکل کر انصار نے کہا۔

"تم نے یہ کیا کہا امامہ! کیا تم اب بھی۔ تم مجھ سے اب بھی شادی کرو گی؟" امامہ وہیں تن کر کھڑی ہو گئی۔ کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"تو کیا تم اس سوکھی چرخ زبیدہ کی خاطر مجھے چھوڑ

UrduPhoto.com

دے گے؟ مجھے بھول سکو گے؟ یہاں نکال لوں گی تمہاری۔ پھر زبیدہ کو کون بچائے گا۔"

آنسو اچانک آنکھوں میں بھر گئے۔ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر وہ پھر آگے چل پڑی۔ انصار بہت حیران سا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ راستے میں اس نے اپنی اس شادی کی ساری روداد سنائی۔ زبیدہ اسے چاہتی تھی اسے پسند کرتی تھی۔ مگر جب اسے علم ہوا کہ وہ امامہ کے لیے ہے۔ تو وہ سخت مایوسی کا شکار ہو گئی۔ دورے پڑنے لگے۔ ماں باپ جانتے تھے، مگر انصار سے کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ انصار سے سلوکی کر کے پچھتا رہے تھے۔ کس منہ سے سوال کرتے۔

ڈاکٹر نے انصار کو بتایا کہ زبیدہ کے ماں باپ سے اس نے بار بار پوچھا کہ لڑکی کو کس چیز کا غم ہے۔ اس پر کون سا بوجھ ہے کہ وہ دن بدن گھلتی جا رہی ہے۔ پھر اسے بتایا گیا کہ وہ مرنا چاہتی ہے کیونکہ جو چاہتی ہے وہ حاصل نہیں کر سکتی۔ اس بار کے دورے کے بعد ڈاکٹر نے شدید مایوسی کا اظہار کیا۔ زبیدہ چار بھائیوں کی ایک بہن ہے۔ ماں باپ کی ایک بیٹی۔ نالائق بیٹوں کے ستائے ہوئے ماں باپ فرمانبردار اور معصوم بیٹی سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ وہ اس کی جان بچانے کو سب کچھ کر سکتے ہیں مگر انصار کے آگے دامن نہیں پھیلا سکتے۔ جب انصار بچہ تھا، تب انہوں نے اسے دھتکار دیا تھا۔ اب وہ کس امید پر اس سے کچھ مانگیں۔ ڈاکٹر نے انسانیت کے نام پر انصار سے اپیل کی۔ اس کا دل پگھل گیا۔ اسے یاد آیا۔ اماں بی کہتی تھیں۔

"دوسرے انسانوں کے لیے اپنی زندگی دینا پڑے تو ہچکچانا مت۔ اس طرح دوسرے کی جان بچ جائے گی۔ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہو گے اور تمہیں بچانے کی ذمہ داری اس قدرت پر ہو گی جو سب کی آزمائش کرتا رہتا ہے۔"

یہ سوچ کر انصار نے زبیدہ کو زندگی دینے کی ٹھانی اس کو خوشی دینے کے لیے جان بچانے کے لیے اپنی خوشیاں داؤ پر لگا دیں۔ انصار تو سمجھ رہا تھا۔ امامہ غم و غصے میں آگ بگولا ہو گی۔ اسے نوچ کھسوٹ ڈالے گی۔ گھر سے نکل جانے کو کہے گی لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ وہ اتنی پر اعتماد اس قدر یقین ہوئی کہ انصار تو انصار زبیدہ کو برداشت کر لے گی۔ انصار کو اب بھی الجھن سی تھی۔ ایسا کیوں ہے؟ عورت ہو کر اس قدر بے نیازی۔ بے فکری، کوئی شکوہ نہ گلہ۔ ہمیشہ سے زیادہ پر سکون۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ اس رات کمرہ بند کر کے سونے سے پہلے امامہ کو جونہی زبیدہ یاد آئی انصار کا اسے سمجھانا بہلانا یاد آیا۔ وہ دھم سے زمین پر گر گئی اور ہاتھ پیر پٹخ کر گھٹی گھٹی سسکیاں لیتے ہوئے بین کرنے لگی۔

"ارے اس ہذیان کے ڈھانچے نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ہائے میں مجھے۔ سوکھی چرخ زبیدہ۔ تو نے کیسا جادو کیا مجھ سے میرا یقین ہی چھین لیا۔ میں اب کہاں جاؤں کیا کروں۔ کس سے مانگوں اپنی محبت۔ لوگ کہتے ہیں مرد حسن و جمال کا گرویدہ ہوتا ہے۔ صحت مند عورت مرد کو مائل ہوتا ہے۔ ہڈیوں کی مالا نے بھی یہ فتح حاصل کر لی۔ مجھ سے مجھ کو چھین لیا۔ اب میرا کیا ہو گا۔ میرا کیا ہو گا؟"

پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی وہ بستر پر جا گری اور چند منٹ میں ہی بے خبر سو گئی۔ صبح اٹھتے ہی اس کی نظر قالین پر اپنی چوڑی پر پڑی تو رات کا سین یاد کر کے وہ بے اختیار ہنسنے لگی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بے اختیار زور زور سے رونے لگی۔ امی گھبرا کر آئیں اور بیٹی کو لپٹا کر رونے لگیں۔ سسکیاں، ہچکیاں آنسو اور درد کی تیز ٹیسیں سارے جسم کو لرزا رہی تھیں۔ امامہ کا جسم گرتا جا رہا تھا۔ نقاہت سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ وہ گر گئی۔ امی گھبرا کر بشیرن کو پکارنے لگیں۔ امامہ بے ہوش ہو گئی۔ ابا آ گئے۔ انصار کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر معائنہ کرتے رہے جب اسے ہوش آیا۔ سب گھیرا باندھے کھڑے تھے پھر اس کے پاس سے ہٹ گئے۔ صرف ابا بیٹھے رہے۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں گرم پانی

میں ڈوب گئیں۔ ابا اس کے بازو کو تھپکنے لگے۔

"ہمت، ہمت بیٹی! حوصلہ کرو۔ جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو۔ دل میں کچھ نہ رکھو۔"

"ابا! آپ کو پتا ہے کہ رات میں زمین پر گر کر خوب روئی اور جو نہیں کہنا چاہتی تھی وہی بولتی رہی۔ بشیرن کی طرح بین کرتی رہی اکیلے کمرے میں۔"

"بری بات۔ بشیرن بے چاری تو جاہل عورت ہے۔ تمہارے پاس اظہار کے ذریعے ہیں۔ تم اپنے حق میں بول سکتی ہو۔ لکھ سکتی ہو۔ قائل کر سکتی ہو۔ پھر یہ کمزوری کیسی؟"

"میں اب کچھ نہیں لکھوں گی۔ لکھنے سے اگر مسائل حل ہو جاتے، پریشانیاں دور ہو سکتیں تو اب تک جو کروڑوں لوگوں نے لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں۔ کہیں ملال کے سائے نہ ہوتے، الجھنیں نہ ہوتیں۔ درد کی یہ لکیر نہ ہوتی۔ جس نے دل سے آنگن کو دو حصوں میں کاٹ کے رکھ دیا۔ دماغ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔"

ابا اسے پیار سے سمجھاتے رہے۔ حوصلہ دیتے رہے۔ ہمت بندھاتے اور برداشت و صبر و تحمل کی تلقین کرتے رہے کہ اسی میں سارے مسئلوں کا حل ہے۔ دکھ اور فکر کی یورش انہیں بھی پست کیے ڈال رہی تھی مگر وہ بہت ہمت والے انسان تھے۔

"خدا پر یقین کرو بیٹی! اس کی مصلحت وہی جانے۔ شاید ہماری بہتری اسی میں ہو۔"

ابا کی نصیحتوں اور یقین دہانی پر وہ سنبھل گئی۔ دن بھر آرام کرنے سے طبیعت بحال ہو گئی۔ بوجھ ہلکا ہو گیا مگر ایک پھانس رہ گئی جو رہ رہ کر کھٹکتی تھی۔ شام کو انصار آیا۔ فکرمندی اور پریشان خیالی اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ امامہ اسے پریشان دیکھ کر خوش ہوئی۔ پتا نہیں کیوں۔ پھانس پھر سے چبھنے لگی۔

"تم کو ہوا کیا تھا؟ کل تو بالکل ٹھیک تھیں۔ سا پسٹل میں تم نے کہا تھا کہ تم زبیدہ کے ساتھ رہو گی۔ یہ تمہارا ہی فیصلہ تھا۔ مگر اب جو تم اس طرح بیمار ہو گئی ہو۔ اس کا کیا مطلب۔ کوئی بوجھ ہو تو ہلکا کر دو پلیز!"

امامہ!" اور امامہ اس کی بے خبری پر بھنا گئی۔

"ہاں تم کو یہ گمان ہے کہ میں تمہارے بغیر ادھوری ہوں۔ جیسے تم خود میرے بنا نامکمل ہو مگر کبھی کبھی بے جوڑ پیوند بھی لگائے جاتے ہیں اور لوگ اسے نیا فیشن کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں مجھ میں اور بشیرن میں کوئی فرق تو ہو گا ہی کیوں نہ میں نئے فیشن کو اپنا لوں۔" اس نے رک کر انصار کی وحشت زدہ آنکھوں میں دیکھا۔

"میں نہیں چاہتی تم کو ساری زندگی آزمائش میں مبتلا رکھوں۔ تم زبیدہ کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے اور تمہاری یہ قربانی رائیگاں جائے گی۔ میں خود کو معاف نہیں کروں گی نہ تم کو۔"

"تمہارے بغیر بھی شاید میں زبیدہ کے ساتھ انصاف نہ کر سکوں تب؟" انصار کا گلا رندھ گیا۔

"اگر ایسا ہوا تو تم ظالم کہلاؤ گے۔ مجھے یہ بھی منظور نہیں اس لیے میں بہت دور چلی جاؤں گی۔"

"اور تم شادی کر لو گی کسی اجنبی کے ساتھ جو تمہیں ایک دن بھی خوش نہ رکھ سکے گا۔" انصار نے فکرمندی سے کہا۔ اندر سے اس کا دل تڑپ رہا تھا۔

"تم سے یہ تو نہیں کہا میں نے۔" امامہ تنک کر بولی۔ "بغیر شادی کے کیا۔ زندہ نہیں رہ سکتی میں؟"

"بھائی جان کی تم تنہا اولاد ہو۔ وہ تمہیں آباد دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں بھی تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا تم مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہو۔ یہ تو بڑی اچھی اور بالکل نئی خبر ہے۔ خوب۔" امامہ طنزیہ ہنسی۔ "تو پھر میں تمہارے شاگرد۔ ارے گل رخ کہ ماورخ کون

Mina@oneurdu.com.pk

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ے مگر وہ تو بہت چھوٹا ہے۔ بڑا ہوا تو میرے لیے ٹھیک ہو گا۔ اس دن تمہارے لیے مٹھائی لے کر آیا تھا۔ تم نے اسے پڑھا کر پرائیویٹ امتحان دلوایا تھا۔ وہ پاس ہو گیا۔ تم گھر پر نہیں ملے۔ یہاں آ گیا۔"

"اسے تمہارا کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے ذوالقرنین کو بتایا تھا ایک دن۔ وہ بھی ساتھ آیا تھا عارفین کے۔ اچھا لڑکا ہے۔"

"کون؟ کون؟"

"وہی عارفین۔ میرے لیے وہی ٹھیک ہے۔"

"میں اس کا سر پھاڑ دوں گا۔ وہ یہاں کیوں آیا۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئیں امامہ۔" انصار پریشان ہو گیا۔

"میں وہی کروں گی۔ جو میرا دل چاہے گا۔ تم اپنی نیک نامی اور بے نفسی کا مظاہرہ کرو۔ اپنے انتقامی جذبے سے میرا گلا گھونٹ سکتے ہو تو میں تم سے کم تو نہیں ہوں۔ اپنے چچا پر احسان کرنے کے لیے۔ ان کا سر جھکانے کے لیے ان نے اپنی پرانی توہین کا بدلہ لینے کے لیے تم نے میری زندگی کو کھیل بنا لیا۔ مجھے اندھیرے میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔ وہ تو ابا کی محبت اور یقین و حوصلے نے مجھے مضبوط بنا دیا ورنہ میرے مرنے میں کسر ہی کیا رہ گئی تھی۔"

تھے سے امامہ کا جسم کانپنے لگا۔ انصار پاگلوں کی طرح چلا نوچنے لگا۔

"نہیں امامہ! نہیں۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ زبیدہ محرومیوں کا شکار ہو گئی ہے اسے جینے کے لیے ایک آس ایک خوشی کی کرن چاہیے تھی۔ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔ اس کی زندگی۔"

"ختم کر دیہ ڈائیلاگ۔" امامہ پھر بپھر گئی۔ سورج کی تپش جسم و جان جھلسائے دیتی تھی۔

"زبیدہ پر کئی سال سے دورے پڑ رہے ہیں۔ وہ زندہ ہے اب بھی زندہ رہے گی۔ مگر تم نے اس کے والدین کو خریدنے کے لیے خود کو بیچ ڈالا۔ میری محبت کا سودا کر دیا۔ کھانے کا سودا۔ اپنے چچا کو نیچا دکھانے کے لیے اس سے بہتر موقع تم کو نہ ملتا۔ اپنی برتری کے لیے خود نمائی کے لیے تم اب میں یہ راز جان چکی ہوں کہ تم پہلے سے ہی زبیدہ کو چاہتے تھے۔ ہمیشہ اس سے محبت کرتے تھے۔ مگر اظہار کا موقعہ نہیں ملا۔ اب اس کی بیماری کو آڑ بنا کر تم نے اپنے ارمان پورے کیے جاؤ! تم جاؤ میں تم کو آزاد کرتی ہوں۔"

انصار اسے بتانا چاہتا تھا۔ سمجھانا چاہتا تھا۔ راستہ دکھانا چاہتا تھا۔ یہ سب مفروضے ہیں۔ محض غلط فہمی وہ منافق نہیں۔ مگر امامہ کے غیض و غضب میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ شدید جذباتی صدمہ بھی انسان کو غیض و غضب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایسے میں اس کی بھڑاس نکل جانے دی جائے۔ خاموشی اختیار کی جائے۔ اسے خاموش دیکھ کر امامہ سمجھی کہ وہ اپنا جھوٹ کھل جانے پر اپنے دھوکے کے انکشاف پر دم بخود رہ گیا ہے۔ وہ شعلہ جوالا بن گئی۔

"تم بولتے کیوں نہیں دغاباز۔ اب جاؤ زبیدہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤ۔ تمہارے سارے ارمان پورے ہو چکے۔ مجھے شکست دینا چاہتے تھے نا تم اب جیت گئے ہو۔ مجھے ہارے ہوئے کو دیکھ لیا۔ تم کو جو کچھ حاصل کرنا تھا کر لیا۔ میں بھی کمزور ہوں۔ بیمار ہوں بھی ایک عورت۔"

"اب بولوں بھی تو کیا بولوں۔ سچ بولوں کا جو تم سننا نہیں چاہتیں۔ اپنے قیاسات پر تمہیں اس قدر یقین ہے کہ میں انہیں جھٹلانے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہتا۔"

انصار سر تھام کر بیٹھ گیا۔ امامہ چلانے لگی۔ انصار کو نوچنے کھسوٹنے لگی۔ اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر جھٹکے سے پھاڑ ڈالا اور جھنجھوڑ کر بولی۔

"اب تمہاری سزا یہ ہے کہ تم نے جس طرح نکاح کیا ہے۔ اسی طرح اسے طلاق دو۔ فوراً ابھی۔ میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ اگر تم سچے ہو اگر تم کو میری ذرا سی بھی پروا ہے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرو۔ اس کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں۔ میں تم کو معاف نہیں کروں گی۔ مجھ میں کیا کمی ہے۔ زبیدہ میں کیا ہے

ہے۔" انصار بے خیالی میں بڑبڑایا۔ "لیکن اس کی تمنا اس کی آرزو پوری ہو جائے تو شاید چند دن اسے اور مل جائیں۔ شاید اس کا یقین بحال ہو جائے۔ وہ زندگی کی طرف مائل ہو جائے۔ اسے میری قربت کی چاہت تھی۔ میری محبت اور یقین کی ضرورت ہو میں نہ دے پایا۔ نہ دے پایا۔ صبح سے یہاں بیٹھا رہا۔"

"تم یہاں کیوں بیٹھے رہے انصار؟" امامہ سب کچھ بھول گئی۔ معصوم بن گئی۔

"پتا نہیں، مجھے لگ رہا تھا جیسے میں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہوں۔ فیصلہ نہ کر پایا۔ کون سا حصہ مضبوط ہے۔ زبیدہ انتظار کرتی رہی۔ وہ مایوس ہو گئی مگر۔ اب میں سمجھ گیا ہوں، جان گیا ہوں۔ اس کی محبت کا پودا زیادہ گھنا اور سایہ دار تھا۔" اب اس نے امامہ کو دیکھا۔ سرد نگاہیں۔ بے رحم الفاظ۔

"اب مجھے لگتا ہے۔ مضبوط اور سایہ دار درخت ہی میری محبت کا امین ہے۔ خدا حافظ امامہ! شاید کبھی زندگی میں ملاقات ہوئی تو میں تمہیں باور کرا سکوں۔ میں جو فیصلہ کرتا ہوں۔ اس پر قائم رہتا ہوں۔"

کمرے کی چھت امامہ پر آ گرتی تو شاید اتنی چوٹ نہ پہنچتی۔ انصار چلا گیا تھا۔ زبیدہ مر کر جیت گئی تھی۔ امامہ کو اپنی شکست کا صدمہ اتنا نہ تھا جتنا زبیدہ کی فتح کا۔ اگر اس وقت وہ برداشت اور تحمل سے کام لیتی صبر کو اپنا شعار بنا لیتی تو یوں ہری طرح تو نہ ہارتی۔

تیز دھوپ میں پیڑ پودے، گھاس اور پھول کملا گئے تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ راہیں سنسان تھیں۔ برسات کے موسم میں اتنی تپش پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ امامہ نے خود اپنی ذات سے ہی شکست کھائی تھی اور یہ موسم شکست کا موسم تھا۔ باہر تیز دھوپ تھی اور اندر کمرے میں اس کی آنکھیں جل تھل ہو رہی تھیں۔

سوکھی بریل بدبیت۔ تم نے اسے مجھ پر ترجیح دے کر میری کتنی توہین کی ہے۔"

انصار کھڑا ہو گیا۔ "خاموش رہو امامہ! تم نہ بے عقل ہو نہ جاہل۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "میں جو فیصلہ کرتا ہوں صرف فائدے کے لیے نہیں اور تم جو کچھ چاہتی ہو وہ صرف اور صرف اپنی تسکین اور برتری کے لیے، خود نمائی کے لیے زبیدہ تم سے اس معاملے میں بہت برتر ہے امامہ! اس نے مجھ کو مجبور نہیں کیا۔ خاموش رہ کر شمع کی مانند جلتی اور پگھلتی رہی۔ ہاں ہاں وہ تم سے بہت برتر ہے۔ میں نے کسی انتقامی جذبے کے لیے نہیں۔ اس کی سچی محبت کے احترام میں اس کے بے زبان جذبات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اس کو شریک حیات بنایا ہے۔ خدا کی قسم! تم اس کے پیروں کی دھول کے برابر بھی نہیں۔ محض ایک سایہ ہو۔ پرچھائیں بے وجود، بے جان۔"

امامہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انصار کے جلال کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے سر میں دھمک ہونے لگی تھی۔ آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ زمین پر گر پڑی۔ یہ شکست بہت بڑی تھی۔ انصار بھی اپنے دل کا غبار نکال چکا تھا۔ پھر ابا آ گئے۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ طوفان اب گزر چکا تھا۔ انہوں نے انصار سے کہا۔

"چلو، ہاسپٹل سے آدمی آیا ہے۔ دوپہر کو زبیدہ انتقال کر گئی۔ وہ تمہارا انتظار کرتی رہی۔ تم جانتے تھے اس کے سانس کتنے کم رہ گئے ہیں۔ پھر بھی یہیں بیٹھے رہے۔ آخر وقت میں اسے دھوکہ دیا ہے تم نے۔"

ابا باہر چلے گئے تو امامہ نے انصار کو دیکھا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھیں معمول سے زیادہ کھلی ہوئی تھیں۔

"وہ کیوں مر گئی انصار! تم نے تو اسے اپنی زندگی دے دی تھی نا۔" پارے ہوئے جواری کی طرح امامہ زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"ڈاکٹر نے کہا تھا۔ وہ صرف چند گھنٹوں کی مہمان